تاریخِ مشائخِ چشت (جلد پنجم): استدراک و تسامحات

عبدالعزیز ساحر*

(۱)

بیسویں صدی عیسوی میں سلسلۂ چشتیہ کو دو ایسے محقق میسر آئے، جنھوں نے اس سلسلے کے حوالے سے نہایت اہم تحقیقی کام کیے۔ دونوں محقق فریدی خانوادے کے چشم و چراغ تھے اور دونوں کا تعلق ہندوستان کی دو عظیم علمی درس گاہوں سے تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ البتہ سلسلۂ چشتیہ اور اس کی مختلف اور متنوع جہات ان دونوں محققین کا مشترک میدانِ تگ و تاز رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے انداز اور اسالیب میں دادِ تحقیق دی۔ میری مراد پروفیسر نثار احمد فاروقی (۱۹۳۴ء۔ ۲۰۰۴ء) اور پروفیسر خلیق احمد نظامی (۱۹۲۵ء۔۱۹۹۷ء) سے ہے۔ نظامی صاحب نے اس خوش آثار سلسلے کے حوالے سے بنیادی نوعیت کا کام کیا۔ انھوں نے اردو اور انگریزی میں اس سلسلے کے مختلف تاریخی اور عرفانی پہلوؤں پر باقاعدہ کتابیں بھی لکھیں اور مقالے بھی تحریر کیے۔ پیشِ نظر تبصراتی مقالے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب تاریخِ مشائخِ چشت (جلد پنجم) زیرِ بحث لائی جارہی ہے۔ اس کتابِ مستطاب کے محاسن و معائب کی جملہ تفصیلات مستند اور معتبر مصادر اور مراجع کی روشنی میں ہدیۂ قارئین ہیں۔

پروفیسر موصوف نے اردو اور انگریزی میں اس سلسلۂ عالیہ کے حوالے سے جو کچھ کتابی صورت میں لکھا، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(1) The Life and Times of Shaikh Farid ud din Ganj i Shakar: Idarah-i-Adabiyat-i-Dilli: 1955 (first published), 144p

The Life and Times of Shaikh Farid ud din Ganj i Shakar, Idarah-i-Adabiyat-i-Dilli: 1973(first Reprint), 144p

The Life and Times of Shaikh Farid ud din Ganj i Shakar, Universal Books, Lahore, n d, 144p

یہ کتاب اردو میں ترجمہ بھی ہوئی۔ اس کے اشاعتی کوائف کی تفصیل:

---

* پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

احوال و آثارِ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، قاضی محمد حفیظ اللہ (مترجم)، المعارف، لاہور، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۲

(2) The Life and Times of Shaikh Nizam ud din Auliya, Idarah-i Adabyat-i Dilli, Delhi, first edition (1991), 222p

The Life and Times of Shaikh Nizam ud din Auliya, Oxford University Press, Delhi, (March 15, 2007), 238p

The Life and Times of Shaikh Nizam ud din Auliya: Oxford University Press, Delhi, (2012), 254p

(3) The Life and Times of Shaikh Nasir ud din Chiragh i Dehli: Idarah-i Adabyat-i Dilli, Delhi: (1991),vi+171p

The Life and Times of Shaikh Nasir ud din Chiragh i Dehli: South Asia Books, Delhi: (1 May 1992).

(۴) شیخ نظام الدین اولیاء: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی، بارِ اول ۱۹۸۵ء، ص ۸۶

شیخ نظام الدین اولیاء، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی، بارِ دوم ۱۹۹۴ء، ص ۸۶

(۵) خیر المجالس (انتقادی متن)، شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء، ص ۳۰۷+۶۷

(۶) تاریخِ مشائخِ چشت، ندوۃ المصنفین، دہلی (اشوکا پریس، دہلی)، طبعِ اول رمضان ۱۳۷۲ھ مئی ۱۹۵۳ء، ص ۷۷۸

تاریخِ مشائخِ چشت، ندوۃ المصنفین، دہلی، طبعِ دوم عکسی جنوری ۱۹۸۵ء ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ، ص ۸۱۸

______، دائرۃ المصنفین، اسلام آباد، س ن، ص ۵۰۰

______، دار المؤلفین، اسلام آباد، ۱۹۷۵ء، ص ۷۷۸

______، مکتبۂ عارفین، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۷۶۷

______، زاویہ پبلشرز، لاہور

______، مشتاق بک کارنر، لاہور، (توضیح و تخریج، محمد حامد مرتضیٰ چشتی صابری و نثار احمد چشتی صابری)، س ن، ص ۷۱۲ (یہ اشاعت نئی کمپوزنگ کے ساتھ ندوۃ المصنفین، دہلی کے ایڈیشن ہی پر مبنی ہے۔ محمد حامد مرتضیٰ چشتی صابری اور نثار احمد چشتی صابری کے نام توضیح اور تخریج کے زیرِ عنوان درج ہیں، لیکن ان دونوں صاحبان نے کسی طرح کی نہ تو کوئی توضیح فرمائی اور نہ ہی تخریج کی۔)

______، جلد اول، ادارۂ ادبیاتِ دلی، دہلی ۱۹۸۰ء، ص ۵۰۱

______، جلد اول، احمد برادرز پرنٹرز، دہلی، اگست ۱۹۸۳ء

______، جلد پنجم، ادارۂ ادبیاتِ دلی، دہلی، ۱۹۸۴ء، ص ۵۰۰؛ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

______، جلد اول، اوکسفرڈ پریس، کراچی، ۲۰۰۷ء

______، جلد پنجم، اوکسفرڈ پریس، کراچی، ۲۰۰۷ء

(۲)

سلسلۂ چشتیہ کے حوالے سے پروفیسر خلیق احمد نظامی کا سب سے بڑا تحقیقی کام تاریخِ مشائخِ چشت ہے۔ پہلی بار جب اس تحقیقی منصوبے کی ایک جلد شائع ہوئی تو انھوں نے اس کے تعارف میں لکھا:

> میرا ارادہ ہے کہ چشتیہ سلسلے کی تاریخ پانچ جلدوں میں اس طرح پر مرتب کی جائے:
>
> جلد اول: حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے لے کر حضرت شیخ نصیر الدین الدین چراغ دہلوی تک۔
>
> جلد دوم: حضرت خواجہ کمال الدین علامہ سے لے کر حضرت یحییٰ مدنی تک۔
>
> دکن، بنگال، مالوہ اور گجرات میں چشتیہ سلسلے کی خانقاہوں اور مشائخ کے تفصیلی حالات۔
>
> جلد سوم: (صابریہ سلسلہ) حضرت علی احمد صابر سے لے کر حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی تک۔
>
> جلد چہارم: (نظامیہ سلسلہ) حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی سے لے کر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی تک۔
>
> جلد پنجم: (صابریہ سلسلہ) حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی سے لے کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی تک"[۱]۔

۱۹۵۳ء میں شائع ہونے والی اس جلد کو انھوں نے اس تحقیقی منصوبے کی چوتھی جلد قرار دیا (تاریخ، ندوہ، ص ۱۴) دوسری بار یہ کتاب دو جلدوں میں ادارۂ ادبیاتِ دلی کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوئی۔ پہلی جلد تصوف کے عمومی مسائل اور معاملات کا احاطہ کرتی ہے، جب کہ دوسری جلد (جو زمانی ترتیب کے اعتبار سے پانچویں جلد کے نام سے موسوم ہوئی) شاہ کلیم اللہ جہان آبادی سے لے کر خواجہ اللہ بخش تونسوی کے احوال و آثار تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس اشاعت میں پہلی اشاعت کے وقت بنائے گئے تحقیقی منصوبے میں قدرے تبدیلی کر دی گئی۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا تھا:

> تاریخِ مشائخِ چشت کی پہلی جلد ناظرین کے مطالعہ سے گزر چکی ہوگی۔ اس وقت اس سلسلہ کی پانچویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی سے لے کر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی تک سلسلۂ چشتیہ (نظامیہ) کے مشائخ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ اس میں بھی نئے مآخذ کی تلاش اور واقعات کی مزید تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ تصحیح اور اضافے کی جہاں ضرورت محسوس ہوئی، اس سے گریز نہیں کیا گیا۔ کوشش یہ رہی ہے کہ مشائخ کے حالات کی تحقیق میں صدق و دیانت کا دامن کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ جلد دوم جس میں حضرت خواجہ معین

الدین سجزی چشتی سے لے کر حضرت شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی تک مشائخ متقدمین کے حالات و سوانح اور اصلاحی اور تربیتی نظام کی تفصیلات درج ہیں، کتابت کے لیے دی جا رہی ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کو اس کے لیے زیادہ زحمتِ انتظار نہ اُٹھانی پڑے گی[۲]۔

ادارۂ ادبیاتِ دلی سے شائع ہونے والی دونوں جلدیں (پہلی اور پانچویں) بعد ازاں اوکسفرڈ پریس، کراچی سے شائع ہوئیں تو مؤلف کے صاحب زادے ڈاکٹر فرحان نظامی نے لکھا ہے:

> تاریخِ مشائخِ چشت کی پیشِ نظر جلد والدِ مرحوم کی ترتیب کے لحاظ سے پانچویں جلد ہے۔ جیسا کہ پہلی جلد کے دیباچے میں عرض کیا جا چکا ہے۔ مصنف کے ذہن میں سات جلدوں میں برِ صغیر میں سلسلۂ چشتیہ کی مکمل تاریخ لکھنے کا منصوبہ تھا، لیکن دوسرے علمی و تحقیقی کاموں اور بعض دشواریوں کی وجہ سے صرف پہلی اور پانچویں جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکی۔ تاریخی عہد کے فرق کے باوجود پہلی اور پانچویں جلد میں گہری مماثلت ہے۔ پہلی جلد میں برِ صغیر میں چشتیہ سلسلے کی تاسیس اور اس کے عہدِ زریں کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اس عہد کی آخری شخصیت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بعد چشتیہ سلسلہ علاقائی مرکزوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کی دوبارہ مرکزیت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی کوششوں سے قائم ہوئی۔ پیشِ نظر جلد اسی دور کی یادگار ہے[۳]۔

(۳)

تاریخِ مشائخِ چشت ان کتابوں میں سے ایک ہے، جسے راقم نے بار بار پڑھا اور اس کے مندرجات سے اخذ و استفادہ کیا۔ پچھلے پچیس تیس برسوں سے یہ کتاب مستطاب سفر و حضر میں میرے ساتھ رہی۔ اس کی طرف بار بار مراجعت کی وجہ سے اس کے مندرجات حافظے کی لوح پر تقریباً نقش ہو گئے۔ چشتیہ سلسلے کی دیگر کتابوں کے مطالعے کے دوران، جب بھی کوئی تفاوت نظر نواز ہوا تو راقم نے اس کتاب کی طرف مراجعت کی اور یوں اس طرح کے تقابلی مطالعات سے توجہ ان تسامحات کی طرف مبذول ہوئی، جو تاریخِ مشائخِ چشت میں راہ پا گئے اور اس کتاب کی وساطت سے دیگر تحقیقی مطالعات میں دکھائی دینے لگے۔ اس کتاب میں کہیں سنہ و سال کی ترقیم میں اغلاط در آئیں اور کہیں اسمائے معرفہ اپنی درست صورت میں نقل نہیں ہوئے۔ بعض کتابوں سے فکری استفادہ کرتے ہوئے خلیق احمد نظامی صاحب نتائج کی تخریج میں کامیاب نہیں ہوئے اور کہیں غلط نتائج کا استنباط کیا۔ کئی صوفیہ کے احوال میں ایسے قطعہ ہائے تاریخ درج کیے گئے، جن کے مصرعوں سے درست سنہ کا استخراج نہیں ہوتا اور کہیں رواروی میں صرف مادہ ہائے تاریخ کو نشان زد کرنے کے بجائے پورے مصرع کو نشان زد کر دیا۔ کہیں شعر لفظی تصرفات سے مملو ہو گئے اور کہیں لفظ چھوٹ جانے سے شعر خارج از آہنگ ہوئے۔ کہیں کہیں صاحبِ کتاب نے ثانوی ماخذ سے اقتباس نقل کیے، لیکن حوالہ بنیادی مآخذ کا دیا۔ کہیں مصادر اور مآخذ ان کی دست رس میں تھے،

لیکن عدم توجہ سے حقائق مجروح ہوئے۔ ذیل میں ایسے تمام تسامحات کی نہ صرف نشان دہی کی جارہی ہے، بلکہ سلسلے کے مستند مآخذ اور مصادر کی روشنی میں ان کی درستی بھی کی جائے گی۔ کاش وہ زندہ ہوتے اور ان کی زندگی میں یہ تبصرہ اشاعت پذیر ہوتا تو یقینِ واثق ہے کہ وہ راقم کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آئندہ ایڈیشن میں ان گزارشات کی روشنی میں متعلقہ مقامات کی تصحیح کرکے اس کتاب کو شائع کرتے۔ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

(۴)

تاریخِ مشائخ چشت کے دو ایڈیشن نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک پہلا ایڈیشن ندوۃ المصنفین، دہلی کا شائع کردہ (یک جلدی) اور دوسرا ادارہ ادبیاتِ دلی، دہلی کا مطبوعہ ایڈیشن (دو جلدوں میں)۔ پاک و ہند میں شائع ہونے والی باقی تمام اشاعتیں انھی دو انتشارات پر مبنی ہیں۔ ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں ہوا۔ اوکسفرڈ ایڈیشن بھی نئی کمپوزنگ کے ساتھ ادارۂ ادبیاتِ دلی کے ایڈیشن ہی پر مبنی ہے۔ یہ ایڈیشن چوں کہ خلیق صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوا اور ابھی تک یہ اس کتاب کی آخری اشاعت ہے، اس لیے اسے بھی اس تبصرے میں شامل کیا گیا ہے۔ تسامحات کی نشان دہی میں تینوں اشاعتوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ مستند مآخذ اور مصادر کی روشنی میں تصحیحات بھی کی گئی ہیں اور ان کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ بعض ایسی اغلاط ہیں، جو پہلے ایڈیشن میں تھیں، لیکن بعد میں ان کی تصحیح کردی گئی۔ اسی طرح بعض اغلاط پہلی بار ادارۂ ادبیاتِ دلی کے ایڈیشن میں در آئیں اور بعد ازاں اس ایڈیشن پر مبنی اشاعتوں کی بدولت عام ہوئیں۔ انھیں نشان زد کردیا گیا ہے۔ اس تبصرے کی تحریر و تسوید میں راقم کی کوشش رہی ہے کہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مستند اور معتبر مآخذ سے استفادہ کیا جائے اور ان کی روشنی میں تصحیح کا کام انجام دیا جائے۔ اس تبصرے میں یہ طریق اپنایا گیا ہے کہ تاریخِ مشائخ چشت سے متعلقہ اقتباس نقل کرکے اس پر تبصرہ کے عنوان سے راقم نے اپنے مطالعاتی افادات رقم کیے اور اس ضمن میں جہاں ضروری ہوا، اصل مآخذ کی طرف مراجعت کرکے اور ان سے متعلقہ اقتباسات منتخب کرکے ان کی روشنی میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی۔ اس تبصراتی مقالے کے حوالہ جات میں، تاریخِ مشائخ چشت کا نام صرف تاریخ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ندوہ، ادبیات یا اوکسفرڈ لکھ کر حوالہ دیا گیا ہے، تاکہ متعلقہ ایڈیشن کی طرف مراجعت آسان ہو۔

(۵)

تاریخِ مشائخ چشت کے مختلف اور متنوع تسامحات کی تفصیل ابواب وار ملاحظہ فرمایئے:

باب اول: حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۱)

حضرت شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی کے بعد چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا تھا اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں۔ حضرت سید محمد گیسو دراز، حضرت نور قطبِ عالم، علامہ کمال الدین اور دیگر مشاہیر نے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی تھی، لیکن سلسلہ کو ایک 'کل ہند ادارہ' کی حیثیت سے زندہ نہ کر سکے تھے [۴]۔

تبصرہ: (i) شیخ کمال الدین علامہ (م ۷۵۶ھ)، خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی (م ۷۵۷ھ) کی زندگی ہی میں رحلت فرما گئے۔ انھیں آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جب تک وہ زندہ تھے، ان کے شیخ کے طریقِ تربیت اور بابرکت شخصیت کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کل ہند ادارے کی حیثیت سے کام کرتا رہا، مگر جب وہ پردہ فرما گئے تو سلسلہ دہلی سے نکل کر اکناف اور اطراف میں پھیل گیا۔ اگر خلیق صاحب کے بقول: اس کی مرکزیت متاثر ہوئی تو مرکزیت کی اس "زوال پذیری" میں کمال الدین علامہ کا کچھ دخل نہیں ہے۔ جب وہ اپنے شیخِ طریقت حضرت شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی کی زندگی ہی میں رحلت فرما گئے تو پھر ان کے بعد، کمال الدین علامہ کی سلسلے کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جدوجہد، یعنی کیا؟ خلیق صاحب نے اول تو درست تجزیہ نہیں فرمایا اور دوسرا یہ کہ سید محمد گیسو دراز اور نور قطبِ عالم کے ساتھ کمال الدین علامہ کا نامِ نامی بھی شامل کر دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے دورِ اول ہی میں انتقال کر گئے تھے (پہلا دور اُن کے شیخِ کریم شیخ نصیر الدین چراغ پر اختتام پذیر ہوتا ہے)۔ انھیں اپنے شیخ کے بعد آزادانہ طور پر کام کا موقع ہی میسر نہیں آیا۔ البتہ ان کے صاحب زادے شیخ سراج الدین نے گجرات اور احمد آباد کے علاقے میں سلسلے کی تبلیغ و اشاعت کے ضمن میں بہت جدوجہد کی اور چشتیہ سلسلے کو ان علاقوں میں متعارف کرایا۔

(ii) للہ الحمد سلسلۂ چشتیہ کا نظم کبھی بے ترتیب اور غیر منظم نہیں رہا اور نہ ہی سلسلے کی بنیادی ہیئت کبھی درہم برہم ہوئی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی کے بعد یہ سلسلہ مختلف علاقوں میں پھیل گیا اور یوں ہندوستان کے کئی خطے اس سلسلے کے انوار سے جگمگا اُٹھے۔ خلد آباد، دکن، پنڈوہ، مالوہ، گجرات، احمد آباد، مانک پور، کچھوچھہ، برناوہ، سلون اور صفی پور وغیرہ جیسے مقامات تاریخ کے مختلف ادوار میں اس خوش آثار سلسلے کی تعلیمات اور افکار سے معمور رہے اور آج بھی یہ علاقے چشتی نظامی تعلیمات اور عرفان سے ضیاء بار ہیں۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۲)

حبیب اللہ اکبر آبادی (۱۰۸۲ھ ۱۶۷۱ء - ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء) صاحبِ ذکرِ جمیع اولیائے دہلی ان [شاہ کلیم اللہ جہان آبادی] کے حال میں لکھتے ہیں، 'حاجی کلیم اللہ بن شیخ حامد محدث الخ'۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید دو نام کاتب کی غلطی سے چھوٹ گئے ہیں [۵]۔

تبصرہ: شاید نہیں، یقیناً ایسا ہے کہ کاتب کے سہو کی وجہ سے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے والدِ گرامی اور جدِ امجد کے اسمائے گرامی نقل ہونے سے رہ گئے۔ صاحب تاریخِ مشائخِ چشت نے لفظ شاید استعمال کر کے معاملے کو الجھا دیا، حالانکہ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کا شجرۂ نسب مختلف کتابوں اور تذکروں میں محفوظ ہے اور اس میں کچھ اختلاف بھی نہیں۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳)

در زمانِ سعید شاہ جہاں　　شاہِ عالم پناہ جم مقدار

نادر العصر رفت و گفت خرد　　شد بفردوس احمدِ معمار ۱۰۵۹ھ[6]

تبصرہ: خلیق احمد نظامی نے شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے دادا بزرگ وار احمد معمار کا قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے۔ اس کے چوتھے مصرع سے ۱۰۶۰ کے اعداد بر آمد ہوتے ہیں، ۱۰۵۹ نہیں۔ اسی طرح ندوہ ایڈیشن میں اس قطعے کا دوسرا مصرع غلط لکھا گیا ہے۔ (دیکھیے: شاہ علم پناہ جم مقدار، ص ۳۷۱)۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴)

"شیخ بہلول [سید] محمد غوث گوالیاری کی اولاد سے تھے"[7]۔

تبصرہ: خلیق احمد نظامی نے حاشیے میں ان کے احوال تکملہ سیر الاولیاء کے حوالے سے یوں قلم بند کیے ہیں:

ان کا نام تکملہ سیر الاولیاء میں اس طرح درج ہے (ص، ۸۵-۸۶)، 'شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول بن کبیر محمد بن علی الصدیقی برہانپوری[8]۔

متن کے مطابق: شیخ بہلول سید تھے، لیکن حاشیے میں انھیں صدیقی لکھا گیا ہے۔ متن اور حاشیے میں، جو اختلاف وقوع پذیر ہو رہا ہے، پروفیسر صاحب کی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوئی یا شاید انھیں اس غلطی کا ادراک ہی نہ ہوا ہو اور وہ محض رواروی میں دو مختلف نسب لکھ گئے ہوں۔ واللہ اعلم

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵)

[شیخ یحییٰ مدنی] ۲۰ رمضان ۱۰۱۰ھ [۱۶۰۱ء] کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے[9]۔

تبصرہ: ۲۰ رمضان ۱۰۱۰ھ کو عیسوی سنہ ۱۶۰۲ء تھا اور تاریخ ۱۴ مارچ تھی۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶)

حضرت یحییٰ مدنی ایک روحانی اشارے پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں ۲۸ صفر (۱۶۸۹ء-۱۱۰۱ھ) کو وصال فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبرے سے متصل سپردِ خاک کیے گئے[10]۔

تبصرہ: حضرت یحییٰ مدنی کی قبر انور امیر المؤمنین حضرت عثمان کے روضۂ اطہر سے متصل نہیں، بلکہ پائنتی کی طرف واقع ہے۔ محمد فاضل رقم طراز ہیں:

چون در روضۂ حضرت ذوالنورین داخل می شوند، مرقدِ حضرت قطب الاقطاب بردستِ چپ و چون بیرون می آیندبردستِ راست می باشد وہر کسی کہ می آید اکثر از مردمانِ عرب وغیرہ اول بر قبرِ حضرت قطب الاقطاب شیخ یحییٰ چشتی معشوق اللہ فاتحہ خواندہ داخلِ روضۂ حضرت ذوالنورین می گرد[۱]۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۷)

مجالسِ کلیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نگار نے شیخ [یحییٰ مدنی] کی حجاز روانگی کی تاریخ ایک دن بعد یا پہلے لکھ دی تو اورنگ زیب نے اس کی گرفت کی[۲]۔

تبصرہ: اورنگ زیب نے گرفت نہیں کی، بلکہ واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت یحییٰ مدنی کے ایک صاحب زادے دہلی تشریف فرما ہوئے تو اُن کی ملاقات اورنگ زیب عالم گیر سے ہوئی۔ دورانِ ملاقات بادشاہ نے پوچھا کہ: شیخ کس تاریخ کو حجاز روانہ ہوئے؟ صاحب زادہ صاحب نے فرمایا: ۲۶ویں رجب کو۔ بادشاہ نے کہا: لیکن واقعہ نگار نے روانگی کی تاریخ ۲۷ویں رجب لکھی ہے۔ واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سلطان پرسید کہ: حضرت شیخ بہ کدام تاریخ روانہ حرمین الشریفین شدند؟ مخدوم زادہ فرمودند کہ: بیست وششم رجب۔ عالمگیر گفتند کہ واقعہ نگارِ گجرات تاریخ بیرون [رفتن] ایشان بیست وہفتم داخلِ واقعہ نمودہ۔ صاحبزادہ جواب دادند کہ بیست وششم بود، واقعہ نگار شب را در روز محسوب نمودہ باشد۔ مدعا این بود کہ عالمگیر بادشاہ حافظہ و یادداشت و خبرداری باین مرتبہ داشت کہ مقدماتِ جزوی کہ [در] ممالکِ محروسہ می گذشت، فراموش نمی کرد[۳]۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے اس واقعے کا تذکرہ اورنگ زیب عالم گیر کی خبر داری، قوی یادداشت اور کارِ منصبی میں دل چسپی کے حوالے سے بیان فرمایا تھا۔ اس میں کہیں بھی واقعہ نگار کی گرفت کا مذکور نہیں ہوا۔ خلیق صاحب نے اس واقعے کی غلط توجیہہ فرمائی۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۸)

ان کی تصانیف میں کشکولِ کلیمی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب [۱۶۸۹ء۔ ۱۱۱۰ھ] میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی[۴]۔

تبصرہ: ۱۱۱۰ھ کے مطابق عیسوی سنہ ۱۶۹۸ء ہے۔ ان سنین کی تطبیق میں بھی پروفیسر صاحب سے سہو ہوا ہے۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۹)

[۶ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ] کی ایک مجلس کا حال کامگار خاں حسینی نے لکھا ہے: پادشاہ رفیع الدرجات دولتِ پای بوس حاصل کرد، ذکر در.... [۱۵]۔

تبصرہ: خلیق احمد نظامی کی توجہ اِس تاریخی مغالطے کی طرف مبذول نہ ہوئی۔ وہ سہوِ کاتب کو روا روی میں نقل کر گئے۔ سال ۱۱۳۱ھ ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ مذکورہ بالا تاریخ ماہ وسال (۶ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ) کو رفیع الدرجات کو وفات پائے کئی مہینے گزر چکے تھے۔ معلوم نہیں کیسے اس کتاب کے خطی نسخوں میں ۱۳۱۱ھ کے بجائے ۱۱۳۲ھ کی غلطی در آئی۔ راقم کی نظر سے اس کے جتنے بھی نسخے گزرے، تمام میں اس کا سنہ غلط لکھا گیا۔ پروفیسر موصوف نے جہاں بھی اس کتاب کا حوالہ دیا، غلط سنہ کا اندراج کیا۔ ان کی نظر ۱۱۳۱ھ میں وقوع پذیر ہونے والے تاریخی واقعات کی طرف مبذول نہیں ہوئی۔ اگر وہ اس غلطی پر متنبہ ہوتے تو ۱۱۳۲ھ کی ترقیم نہ کرتے۔ انھوں نے تاریخِ مشائخِ چشت میں کئی مقامات پر اس کتاب سے اکتسابِ فیض کیا اور ہر جگہ ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔

مجالسِ کلیمی ملفوظات کا وہ منفرد مجموعہ ہے، جس میں شیخ سیاست پر براہِ راست گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ بادشاہ بھی ان مجالس میں یمن وبرکت کے حصول کے لیے شریک دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے مؤرخ کی توجہ ان سیاسی احوال اور بادشاہ کی آمد ورفت کی طرف مبذول نہیں ہوئی اور سنہ وصال کی ترقیم میں بھی ان سے اغلاط کی تصحیح نہیں ہو پائی۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی تاریخِ وفات کا جو قطعہ نقل کیا گیا ہے، اس کے مصرع سے درست سنہ کا استخراج نہیں ہوتا:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۰)

کلیم اللہ عارف پاک بودہ   با قلیم بقا ذوقش ربودہ

بپرسیدم چو تاریخ وفاتش   خرد گفتا کہ: [ذاتِ پاک بودہ] (۱۱۴۲ھ)[۱۶]

تبصرہ: ندوہ ایڈیشن میں متعلقہ مصرع یا اس کا کوئی حصہ نشان زد نہیں کیا گیا۔ بس چوتھے مصرعے کی ترقیم کے بعد اگلی سطر میں ۱۱۴۲ھ لکھ دیا گیا۔ ادبیات ایڈیشن میں ذاتِ پاک بودہ کے نیچے خط کھینچ کر اور اوکسفرڈ ایڈیشن میں اس کے گرد واوین لگا کر ۱۱۴۲ھ لکھا گیا، لیکن اس جانب توجہ نہیں دی گئی کہ اس سے ۱۱۴۱ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں، ۱۱۴۲ کے نہیں، یعنی ایک عدد کم ہے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۱)

شاہ صاحب [شاہ کلیم اللہ جہان آبادی] کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں [۱۷]۔

تبصرہ: شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، جیسا کہ مناقب المحبوبین میں ہے:

ایشان را ازشکمِ آن جاریه چہار پسران شدند-- بزرگ: حامد سعید،دوم:حافظ فضل اللہ، سوم:احسان اللہ، چہارم: خواجه محمد که در طفلگی فوت شد و پنج دختران بودند- اول: بی بی رابعه که از محمد ہاشم خلیفۂ ایشان منکوحه شد-دوم:فخر النساء که از برادرزاده خود شیخ عبدالرحیم نام منکوحه کردند-سوم: بی بی زینب بعرف بی بی مصری که از شاه میر منکوحه شد- چہارم را نام راوی ننوشت، اما این دختر ہم بعدِ فوتِ بی بی رابعه در نکاحِ محمد ہاشم آمده بود و حالِ پنجم راوی ننوشت که نامِ اُو چه بود و از کدام کس منکوحه شد[18]-

خلیق صاحب نے حاشیے میں مناقب کے حوالے سے لکھا کہ مناقب کے مصنف نے 'پانچ لڑکیاں بتائی ہیں، لیکن چوتھی اور پانچویں کا نام نہیں بتایا'۔ کیا اگر چوتھی اور پانچویں لڑکی کا نام نہ بتایا جائے (یا معلوم نہ ہوسکے) تو ان کی تعداد کم ہو کر تین رہ جاتی ہے؟

باب دوم: حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۲)

شد ز دنیا چو سوی خلدِ برین راہبر راہنما نظام الدین

سالِ ترحیلِ اُوست شیخ کبیر ہم: ولی ہدا نظام الدین (۱۱۴۲ھ)[19]

تبصرہ: ندوہ ایڈیشن میں [ہدا نظام الدین] کو نشان زد کر کے ۱۱۴۲ھ لکھ دیا گیا ہے۔ ہدا کا املا بھی غلط ہے۔ (دیکھیے: ہذا: ص ۴۵۶)۔ تیسرے مصرعے کی ترکیب شیخ کبیر (۱۱۴۲ھ) سے بھی سن وصال کا استخراج ہوتا ہے۔ اس مصرعے کے ابتدائی الفاظ اور چوتھے مصرعے کا پہلا لفظ ہم بھی اس مادۂ تاریخ کی طرف اشارہ کر رہا ہے، لیکن پروفیسر صاحب نے اس کی نشان دہی نہیں فرمائی۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۳)

ان خلفاء میں خواجہ نور الدین اور خواجہ کامگار حسینی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں--- یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت ایشاں (۱۵۶۶-۱۶۴۲ء) کے نبیرہ خواجہ برہان الدین کے بیٹے تھے۔ خواجہ برہان الدین بن [خواجہ محمد خاوند بن حضرت ایشاں][20]۔

تبصرہ: حضرت ایشاں ہی خواجہ خاوند محمود ہیں۔ انھیں خلیق احمد نظامی نے غلطی سے دو شخصیات ظاہر کیا ہے۔ حالاں کہ اسی اقتباس میں ایک سطر پہلے وہ لکھ چکے ہیں: 'خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت ایشاں۔'

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۴)

اُن [خواجہ محمد نور الدین] کا انتقال مرشد کی حیات میں ہی (۲۷ ربیع الاوّل [۱۱۳۲ھ]) ہو گیا تھا[21]۔

تبصرہ: خواجہ محمد نور الدین کا انتقال ۱۱۳۱ھ میں ہوا، نہ کہ ۱۱۳۲ھ میں۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۵)

وہ ۲۸ ربیع الاوّل ۱۱۳۲ھ سے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ تک شیخ کی خدمتِ بابرکت میں رہے [۲۲]۔

تبصرہ: خواجہ کامگار حسینی ۲۷ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ کو پہلی بار خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ پہلی مجلس کے احوال بھی ۲۷ویں تاریخ کو رقم ہوئے۔ وہ آخری بار ۸ جمادی الاول کو مجلسِ کلیمی میں باریاب ہوئے۔ خلیق احمد نظامی نے سنہ و سال کے ساتھ ساتھ تاریخیں بھی غلط لکھی ہیں۔ دوسرا یہ کہ خواجہ کامگار حسینی مذکورہ دورانیے میں مسلسل اور متواتر خدمتِ شیخ میں حاضر نہیں رہے۔ وہ امیر الامراء سید حسین علی خاں کے ساتھ سرکاری دورے پر تھے۔ اُنھیں منصبی مصروفیات سے جب بھی فراغت ہوتی تھی تو وہ خدمتِ شیخ میں زیارت اور کسبِ فیض کے لیے چلے آتے تھے [۲۳]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۶)

کامگار حسینی دہلی میں ہی تھے کہ بھائی کے انتقال کی خبرِ وحشت اثر اُن کو ملی [۲۴]۔

تبصرہ: خواجہ کامگار حسینی قیامِ دہلی کے دوران میں، اپنے بھائی خواجہ نورالدین حسینی کی وفات سے بے خبر رہے۔ مجالسِ کلیمی کی کسی بھی مجلس میں اُن کی رحلت کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر توجہ سے مجالس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ذکرِ خیر جن مجالس میں بھی آیا ہے، اُس سے اُن کا زندہ ہونا ثابت ہے، مثلاً پہلی اور آٹھویں مجلس کے احوال وغیرہ۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۷)

اب اُس دلی کیفیت کی تسکین کے لیے، جو واپسی پر بھائی سے نہ ملنے کے خیال سے پیدا ہوئی تھی، اُنھوں نے یہ سوچا کہ: مجالسِ شیخ کا حال لکھ کر مرحوم کی روح کو خوش کریں [۲۵]۔

تبصرہ: خواجہ کامگار خاں حسینی مجالسِ کلیمی کو اپنے سفرِ دہلی کے ارمغان کی صورت میں خواجہ نور الدین کی نذر کرنا چاہتے تھے (جیسا کہ دیباچے میں مذکور ہے)۔ اُنھوں نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے اپنے دادا مرشد کی محافل کا احوال رقم کر رہے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے دیباچہ کتاب اورنگ آباد واپس آ کر لکھا ہو گا۔

باب سوم: حضرت شاہ فخر الدین دہلوی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۱۸)

مناقبِ فخریہ (مطبع مجتبائی، دہلی: [۱۲۹۵ھ]) [۲۶]۔

تبصرہ: مناقبِ فخریہ صرف ایک ہی بار شائع ہوئی اور اس کا سن اشاعت ۱۳۱۵ھ ہے، لیکن پروفیسر صاحب نے اشاعت کا سال ۱۲۹۵ھ لکھ دیا، جو غلط ہے۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۱۹)

مناقبِ فخریہ کے مصنف غازی الدین خان نظام، نظام الملک آصف جاہ کے پوتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کی تاریخ میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۸۰۰ء / ۱۲۱۵ھ میں کالپی میں انتقال ہوا[۲۷]۔

تبصرہ: نواب غازی الدین خان نظام کہاں مدفون ہیں؟ اس سلسلے میں تین روایات ہیں، لیکن تحقیقی حوالے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں دفن ہیں:

(i) پروفیسر صاحب موصوف نے صرف کالپی میں ان کے انتقال کا ذکر کیا، مگر انھوں نے اس ضمن میں کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان سے قبل ولیم اِروین (William Irvine) اور عبدالقادر نے لکھا تھا کہ وہ کالپی میں فوت ہوئے۔ اول الذکر کے مطابق: ان کی تدفین پاک پتن میں ہوئی اور ثانی الذکر نے انھیں کالپی ہی میں آسودۂ خاک بتایا[۲۸]۔

(ii) سلسلۂ چشتیہ کے علمی حلقوں میں مشہور ہے کہ وہ پاک پتن شریف میں فوت ہوئے اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔

(iii) خیر پور ٹامیوالی میں خواجہ خدابخش خیر پوری کے مزار شریف سے تھوڑا آگے سرِ راہ ایک مقبرے میں تین قبریں ہیں، جو اہلِ علاقہ میں نواب صاحب، ان کی اہلیہ اور بیٹی کی قبور کے طور پر معروف ہیں۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۲۰)

ایک دن آپ [شاہ فخر دہلوی] اپنے دو ملازموں قاسم اور حیات کے ساتھ اورنگ آباد سے پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔ مناقبِ فخریہ میں آپ کی روانگی کا سال ۱۷۴۷ء / ۱۱۶۰ھ درج ہے۔ مناقب المحبوبین میں ۱۷۵۱ء / ۱۱۶۵ھ لکھا ہے اور غازی الدین خاں نظام کی مثنوی کے ان اشعار سے سند لی گئی ہے:

بود سالی کہ فرخ و میموں — شصت و پنج و ہزار صد افزوں
فخرِ دیں با قدومِ سعد و سعید — دہلیِ کہنہ را نوا بخشید[۲۹]

تبصرہ: مناقبِ فخریہ نواب غازی الدین خاں کی کتاب ہے۔ اس میں درج شاہ فخر کی دہلی آمد کی تاریخ کو چھوڑ کر مناقب المحبوبین میں درج تاریخ کو ترجیح دی گئی ہے اور لطف کی بات یہ کہ جن اشعار سے استناد کیا گیا ہے، وہ بھی غازی الدین نظام کے ہیں۔ حسبِ معمول اشعار کا متن غلط ہے۔ درست متن ملاحظہ فرمائیں:

بود سالی کہ فرخ و میموں — شصت و دوبر ہزار صد افزوں
فخرِ دیں با قدومِ سعد و سعید — دہلیِ کہنہ را نوی بخشید[۳۰]

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۲۱)

ان تصانیف کے علاوہ [ایک زمانے میں حضرت شاہ فخر صاحب کے کچھ خطوط بھی ملتے تھے۔ اب صرف ایک خط مناقب المحبوبین میں محفوظ ہے]، جس میں اتباعِ شریعت کی تلقین کی گئی ہے اور وحدۃ وجود کے بعض نکات کو واضح کیا گیا[۳۱]۔

تبصرہ: پروفیسر صاحب کا یہ بیان درست نہیں۔ اوّل یہ کہ مناقب المحبوبین میں شاہ فخر الدین محمد کے ۳ خطوط محفوظ ہیں [۳۲]۔ دوم یہ کہ شاہ فخر جہاں کے مکاتیب کا ایک مجموعہ رقعاتِ مرشدی کے عنوان سے ۱۳۱۵ھ کو شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے کے مرتب شاہ محمد عبدالصمد چشتی فخری فریدی سلیمانی ہیں۔ انھوں نے یہ مجموعہ آفتابِ تجارت پریس، دہلی سے چھپوایا۔ بعد ازاں اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۳۳ھ کو اسی ادارے کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں فارسی کے گیارہ خطوط مع اردو ترجمہ شامل ہیں۔ اب تک کئی بار یہ مجموعہ پاک و ہند میں چھپ چکا ہے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ فخر صاحب ہی کے زیرِ اثر شاہانِ مغلیہ کو چشتیہ سلسلے سے تعلق پیدا ہوا۔ اکبر کو چھوڑ کر جس کو شیخ سلیم چشتی سے عقیدت تھی، بیش تر مغل حکمراں نقش بندیہ سلسلے سے عقیدت و ارادت کا رشتہ رکھتے تھے۔ شاہ فخر صاحب کے زمانے سے مغل بادشاہوں اور امراء کو چشتیہ سلسلے سے عقیدت پیدا ہوگئی [۳۳]۔

تبصرہ: حیرت ہے یہاں بھی ہمارے فاضل مؤرخ کا بیان تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ اکبر اور جہاں گیر کی شیخ سلیم چشتی فریدی سے عقیدت اور ارادت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اکبرِ اعظم کو خواجہ غریب نواز سے جو قلبی تعلق تھا، وہ تاریخ کے صفحات کی زینت ہے۔ وہ آگرے سے پیادہ پا اجمیر شریف حاضر ہوا۔ بابا فرید الدین گنجِ شکر کے دربارِ گہر بار میں بھی اس کی آمد معاصر کتبِ تواریخ سے ثابت ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر یقیناً مجدد صاحب اور ان کے خانوادے سے عقیدت رکھتا تھا، لیکن اس کی بیعت شطاری سلسلے میں تھی۔ وہ حضرت یحییٰ مدنی اور ان کے صاحب زادگان کا بھی ارادت مند تھا۔ وہ آخرِ کار خلد آباد میں خواجہ برہان الدین غریب کے مزار شریف کے نواح میں دفن ہوا۔ فرخ سیر اور رفیع الدرجات شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی خانقاہِ تقدس مآب میں دعائے خیر کے لیے آمد و رفت رکھتے تھے۔ آخری زمانے کے مغل بادشاہ اور شہزادے نہ صرف چشتی سلسلے کے صوفیہ کے عقیدت گزار تھے، بلکہ ان میں سے کئی ایک تو باقاعدہ مرید بھی تھے۔ قطب صاحب کے مزارِ مبارک کے گرد و نواح میں مغل بادشاہوں اور شہزادوں کی قبریں ان کی چشتی بزرگ سے ارادت اور عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مغل شہزادیاں بھی اس خوش آثار سلسلے سے محبت اور عقیدت کے بندھن میں بندھی ہوئی تھیں۔ شاں جہان کی صاحب زادی جہاں آرا بیگم نے مونس الارواح کے عنوان سے ایک مایہ ناز کتاب خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز کی بارگاہ عرش مقام میں نذر کی۔ تاریخ کی مستند اور معتبر کتابیں ایسے کئی احوال اور واقعات کو محیط ہیں، جو سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کے ساتھ ان کے قلبی اخلاص اور دلی ارادت کا اظہاریہ ہیں۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۲۳)

بگذاشت فخردیں چوں مہماں سرای فانی بر آستانہ جاوداں قطبِ جاودانی
سالِ وصالِ آں از غیب چوں بجستم تاریخ گفت ہاتف:خورشیدِ دوجہانی[۳۴]

تبصرہ: یہ قطعۂ تاریخ غلط نقل ہوا۔ درست متن دیکھیے:

بگذاشت فخردیں چوں مہماں سرای فانی بر آستانہ جا داد آں قطبِ جاودانی
سالِ وصالِ آں ماہ از غیب چوں بجستم آواز داد ہاتف:خورشیدِ دوجہانی[۳۵]

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۲۴)

ان کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا[۳۶]۔

تبصرہ: کالے صاحب کا نام میاں نصیر الدین نہیں، غلام نصیر الدین تھا۔ وہ کالے صاحب کے عرفی نام سے معروف تھے۔ حاجی نجم الدین سلیمانی رقم طراز ہیں:

اوشاں را یک پسر بود۔ غلام نصیر الدین نام بعرف کالے صاحب[۳۷]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۲۵)

کالے صاحب نے ۱۵صفر ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء کو وصال فرمایا[۳۸]۔

تبصرہ: کالے صاحب کا متذکرہ بالا سن وصال درست نہیں۔ مومن خان مومن نے ان کے وصال پر، جو قطعۂ تاریخ کہا ہے، اس سے سن وصال ۱۲۶۸ھ بر آمد ہوتا ہے:

ہوئی جس دم وفات حضرت کی مجھ کو تاریخ کا خیال آیا
ہاتفِ غیب نے کہا ناگاہ کالے صاحب کو سرخرو پایا (۱۲۶۸ھ)[۳۹]

باب چہارم: حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۲۶)

مہار میں آٹھ دن قیام کے بعد شاہ نور محمد نے روانگی کی اجازت مانگی۔ والدین نے مجبوراً اجازت دے دی۔ آپ پاک پتن پہنچے۔ شاہ فخر صاحب محبت سے ملے۔ گھر کا اور والدہ کا حال دریافت کیا۔ اس کے بعد 'برج نظامی' میں مشغولِ عبادت ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں شاہ فخر صاحب نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ جو شخص مرید ہونے کے لیے حاضر ہوتا، اس کو شاہ نور محمد کے پاس بھیج دیتے۔ چناں چہ اس طرح سیکڑوں آدمی شاہ صاحب کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر صاحب نے ان سے کہا: میرا ابھی دو مہینے یہاں قیام کا ارادہ اور ہے۔ تم اپنی والدہ کے پاس ہو آؤ۔ مولانا نور محمد وطن چلے گئے۔ قبلہ عالم کے بھائی ملک سلطان، برہان اور ان کے چچا لکھمیر اور استاد محمد مسعود، شاہ فخر صاحب کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے کے لیے ساتھ آئے تھے۔ یہ سب لوگ شاہ نور محمد کے خلوص اور اعتقاد سے

متاثر ہو کر شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔کچھ دن یہ قافلہ پاک پٹن میں مقیم رہا۔اس کے بعد شاہ فخر صاحب دہلی تشریف لے آئے اور یہ لوگ وطن واپس ہو گئے۔ایک دن شاہ فخر صاحب نے شاہ نور محمد سے فرمایا: 'ای نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود۔' یہ سن کر آپ کی حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی۔عرض کیا: 'میں ایک کم ترین پنجابی ہوں۔کس طرح اس اعلیٰ مرتبے کے لائق سمجھا گیا'، لیکن وہ مرشدِ کامل جس کی نظر میں کیمیا کا اثر تھا۔اس پنجابی کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔اس نے اپنے مرید کے استعجاب کو دیکھا اور خاموش ہو گیا۔[کچھ دنوں بعد خلافت عطا فرما کر مہاراں قیام کرنے کا حکم دیا]۔مرید نے فوراً تعمیل کی اور مہاراں روانہ ہو گئے[۴۰]۔

تبصرہ:اس اقتباس میں دو متضاد باتیں در آئی ہیں، جن کی طرف فاضل مصنف کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔وہ حسبِ معمول ترقیمِ احوال کی رو میں بہتے چلے گئے اور اپنے بیان کے تضاد سے صرفِ نظر کیا۔خلیق احمد نظامی کے بہ قول: پاک پتن میں قیام کے دوران، جب کوئی شخص شاہ فخر سے مرید ہونے کے لیے آتا تو وہ اسے خواجہ نور محمد مہاروی سے مرید ہونے کا حکم دیتے۔اس دورانیے میں سیکڑوں لوگ مرید ہوئے۔آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ جب شاہ فخر دہلی لوٹ آئے تو خواجہ نور محمد کو خلافت عطا فرمائی۔اگر خلافت انھیں پاک پتن کے سفر سے مراجعت کے بعد عطا ہوئی تو پھر پاک پتن کے زمانۂ قیام میں وہ کیوں کر مرید کر سکتے تھے؟ اور اگر سفر پاک پتن سے قبل وہ خلافت سے سرفراز ہوئے تو پھر دہلی مراجعت کی اس کی سرفرازی کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

(تاریخ مشائخ چشت:اقتباس ۲۷)

شاہ نور محمد کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے خلاصتہ الفوائد کے نام سے اور مولوی محمد گہلوی نے خیر الافکار کے نام سے جمع کیے ہیں[۴۱]۔

دوسری جگہ لکھا: شاہ نارووالہ صاحب کے ملفوظات مولوی محمد صاحب نے خیر الافکار کے نام سے مرتب کیے ہیں[۴۲]۔

تبصرہ:(i) قاضی محمد عمر سیت پور کے متوطن تھے۔خلیق صاحب نے سیت پوری کے بجائے سید پوری لکھا ہے، جو درست نہیں۔

(ii) گہلوی کا املا غلط ہے۔گھلوی ہونا چاہیے۔

(iii) مولوی محمد گھلوی کے نوشتہ ملفوظات کا عنوان خیر الاذکار فی مناقب الابرار ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت:اقتباس ۲۸)

۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء کو ان [قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی] کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔کسی نے تاریخِ وفات کہی:

حیف واویلا جہاں بے نور گشت (۱۲۰۵ھ)[۴۳]

تبصرہ: ایک تو یہ کہ یہ مصرع غازی الدین خان نظام کا ہے اور دوسرا یہ کہ پیشِ نظر مصرعے سے شاہ فخر الدین محمد دہلوی کا سن انتقال (۱۱۹۹ھ) استخراج ہوتا ہے۔ اس سے قبلہ عالم کا سالِ وفات (۱۲۰۵ھ) نہیں نکلتا۔ البتہ اگر حیف اور واویلا کے درمیان لفظ واؤ کا ایزاد کر دیا جائے (جیسا کہ شاعر نے لکھا تھا اور مناقب المحبوبین کے مصنف نے درست صورت میں مصرع نقل بھی کیا: حیف و واویلا جہاں بے نور گشت (ص ۹۰) تو اس مصرع سے قبلۂ عالم کے سن وصال کا استخراج ہو سکتا ہے لیکن جس طرح تاریخِ مشائخ چشت کے فاضل مصنف نے لکھا تو اس سے ۱۲۰۵ کے اعداد نہیں نکلتے۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۲۹)

شاہ صاحب [شاہ فخر دہلوی] کے وصال کے بعد فوراً ہی ان [قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی] کو 'کاست بدنی' کی شکایت ہو گئی تھی۔ کچھ دنوں بعد ان کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت نارووالہ صاحب نے وصال فرمایا[۴۴]۔

تبصرہ: خلیق صاحب نے شاہ فخر دہلوی اور خواجہ نور محمد نارووالہ کے درست سنینِ وصال کی ترقیم فرمائی، لیکن مندرجہ بالا اقتباس میں انھوں نے لکھا: 'شاہ صاحب [شاہ فخر] کے وصال کے۔۔۔کچھ دنوں بعد۔۔۔ حضرت نارووالہ صاحب نے انتقال فرمایا'، حالاں کہ یہ 'کچھ دن' چار سال نو ماہ اور نو دن کو محیط ہیں۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۳۰)

شاہ نور محمد کی ایک زوجہ عظمت بی بی تھیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں[۴۵]۔

تبصرہ: متذکرہ بالا جملے کے لفظ 'ایک' سے اشتباہ ہوتا ہے، گویا قبلہ عالم کی ایک سے زائد ازواج تھیں، حالاں کہ ایسا نہیں تھا۔ فاضل مؤرخ نے مناقب المحبوبین کے جس جملے کا اردو میں ترجمہ کیا، وہ کچھ یوں تھا:

بدانکہ حضرت خواجہ نور محمد صاحب را یک زن بود مسماۃ عظمت بی بی۔ از شکمِ آن عفیفہ۔۔۔[۴۶]۔

اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا: جان لیں کہ حضرت خواجہ نور محمد کی ایک ہی زوجہ تھیں مسماۃ عظمت بی بی۔ ان کے بطنِ مبارک سے۔۔۔

(تاریخِ مشائخ چشت: اقتباس ۳۱)

نواب غازی الدین خان نظام، شاہ فخر صاحب کے مرید تھے اور قبلۂ عالم سے خلافت پائی تھی۔ قبلۂ عالم کے مناقب میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے، جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ذکر نور محمد آں ہمہ نور گر نویسم جہاں شود پر شور
دستِ نسبت عیاں کشید او را جذبِ دل سوی جاں کشید او را
پیکرِ او تمام پیکرِ جاں ہست معینش ز گوہر جاں

کارش از فخر دیں گرامی شد وارثِ نسبتِ نظامی شد
شیخ در حقِ او چنیں فرمود: زما ہر بودہ است ربود
ہم بگفتا کزیں جہاں آرا شدہ اُمیدِ مغفرت مارا
ہست امروز او مرادِ جہاں مرجعِ خاص و عام شیخِ زماں[47]

(i) یہ مثنوی قبلہ عالم کے مناقب میں نہیں، بلکہ فخر جہاں غریب نواز کی شان میں لکھی گئی۔ غازی الدین نظام نے اس میں شاہ فخر کی زندگی کے مختلف احوال اور مناقب کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس میں ان کے خلفائے عظام کا بھی تذکرہ کیا۔ قبلۂ عالم کا ذکرِ خیر اس ضمن میں ہوا۔ مثنوی کا عنوان ہے: مثنوی فخریۃ النظام اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ البتہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے شعبہ فارسی سے عظمیٰ عزیز خان نے ڈاکٹر معین نظامی کی رہنمائی میں پی ایچ۔ ڈی کے لیے اس مثنوی کو مرتب اور مدون کیا۔

(ii) نقل کردہ اشعار کے تین مصرعوں کا متن درست نہیں۔ دو مصرعے لفظی تفاوت کا شکار ہیں اور تیسرا مصرع الفاظ کے ہیر پھیر کی وجہ سے معنوی اعتبار سے بھی اضطراب کا شکار ہو گیا۔ درست متن دیکھیے:

شرح نورِ محمد آں ہمہ نور

ہیتِ معنیش ز گوہر جاں

کایں زما ہر چہ بودہ است ربود

مرجعِ خاص و عام و شیخِ زماں[48]

باب پنجم: حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی

ایک فکری مغالطہ:

خلیق صاحب نے شاہ نیاز بریلوی کو وحدتِ ادیان کا قائل[49] کہا ہے اور ان کے اردو کلام سے چار شعر بہ طور مثال دیئے ہیں[50]۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ اشعار شاہ نیاز بریلوی کی وحدۃ الوجودی فکر کے ترجمان ہیں۔ ان سے وحدتِ ادیان کے معنی و مفہوم کا تعین اور استخراج خلیق صاحب کی 'طبعِ رسا' کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جدید علمی دنیا میں وحدتِ ادیان کی اصطلاح، جن معانی میں استعمال کی جاتی ہے، وہ کسی خوش کن فکری

جمالیات کی آئینہ دار نہیں۔ اتنے بڑے چشتی درویش اور وحدۃ الوجودی نظامِ فکر کے بے نظیر عالم و فاضل کو وحدتِ ادیان کا قائل کہنا یقیناً جسارت اور بے باکی کی ایک مثال ہے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۲)

شاہ نیاز احمد صاحب نے ۶ جمادی الآخر (۱۸۲۴ء / ۱۲۵۰ھ) کو بہ مقام بریلی وصال فرمایا[۵۱]۔

تبصرہ: ان کا سنہ وصال ہجری تو درست ہے، لیکن اس کی عیسوی تطبیق درست نہیں۔ ۱۸۳۴ء ہونا چاہیے۔

عزیز میاں صاحب:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۳)

شاہ نظام الدین کے وصال کے بعد ان کے صاحب زادے شاہ محی الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ آج کل شاہ صاحب کے نواسے حضرت عزیز میاں صاحب سجادے پر جلوہ فرما ہیں[۵۲]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۴)

شاہ محی الدین صاحب کے بعد شاہ نیاز احمد صاحب کے نواسے حضرت عزیز میاں صاحب سجادے پر بیٹھے[۵۳]۔

تبصرہ: عزیز میاں، شاہ نیاز احمد کے نواسے نہ تھے، بلکہ شاہ محی الدین عرف ننھے میاں کے نواسے تھے۔ شفیق بریلوی رقم طراز ہیں:

حضرت شاہ نیاز بے نیاز کے وصال کے بعد آپ کے فرزند تاج الاولیاء حضرت شاہ نظام الدین حسین سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت تاج الاولیاء کے وصال کے بعد آپ کے فرزندِ گرامی سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب نے سجادۂ خانقاہ کو زینت بخشی۔ حضرت سراج السالکین کے وصال کے بعد ان کے نبیرۂ مکرم امام السالکین حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب سجادہ نشین ہوئے[۵۴]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۵)

عزیز میاں صاحب نے ۱۷ جنوری ۱۹۲۸ء کو وصال فرمایا[۵۵]۔

تبصرہ: ۱۶ اور ۱۷ شوال کے مابین ۱۳۸۹ھ ۱۶ جنوری[۵۶]۔

مسکین شاہ صاحب:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۶)

[مسکین شاہ نے] ۲۸۔ جمادی الاولیٰ (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ھ) کو وصال فرمایا[۵۷]۔

تبصرہ: جس دن شاہ صاحب نے وصال فرمایا، اس روز جمادی الاول کی ۲۸ نہیں، ۲۷ تاریخ تھی۔ دوسرا یہ کہ عیسوی سنہ کی تطبیق بھی درست نہیں۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ کو جنوری کی ۲ تاریخ تھی اور سنہ ۱۸۵۸ء کے بجائے ۱۸۵۹ء تھا[۵۸]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۷)

خزینۃ الاصفیاء میں تاریخِ وفات لکھی ہے:

شاہ مسکیں چوں بحق شد واصل　　رفت نزدِ خداء خدا آگاہ

گفت تاریخِ رحلتش سرور　　کہ امامِ بہشت مسکیں شاہ (۱۲۷۵ھ) [۵۹]

تبصرہ: پہلا مصرع درست نقل نہیں ہوا، اس کی درست صورت یوں ہے:

شاہ مسکیں چو شد بحق واصل [۶۰]

خلیق احمد نظامی نے چوتھے مصرعے کے نیچے لائن کھینچ کر ۱۲۷۵ھ لکھ دیا (ندوہ میں درست ہے)۔ سنہ وفات امامِ بہشت مسکیں شاہ سے نکلتا ہے۔ لہٰذا لفظ کہ کے نیچے خط نہیں کھینچنا چاہیے تھا۔ پورے مصرعے کے نیچے لائن کھینچنے کا مطلب ہے کہ پورے مصرعے سے تاریخ نکلتی ہے، جب کہ پیشِ نظر معاملے میں ایسا نہیں ہے کہ کی شمولیت سے ۲۵، اعداد بڑھ جاتے ہیں اور تاریخ غلط ہو جاتی ہے۔

باب ششم: حضرت خواجہ محمد عاقل [کذا: خواجہ عاقل محمد]

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۸)

[خواجہ احمد علی کوٹ مٹھن نے] ۹ شعبان (۱۸۱۵ء / ۱۲۳۱ھ) کو وصال فرمایا [۶۱]۔

تبصرہ: تکملہ سیر الاولیاء کے مصنف مولوی گل احمد پوری نے لکھا تھا کہ:

بعد از وصال حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ [خواجہ قاضی عاقل محمد کوٹ مٹھن] یک سال و یک ماہ و چند روز آن صاحبزادہ والا تبار [خواجہ احمد علی کوٹ مٹھن] در قیدِ حیات ماندہ بتاریخ نہم ماہِ شعبان المعظم ازین دارِفانی رحلت فرمودند [۶۲]۔

قاضی عاقل محمد نے ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو انتقال فرمایا۔ تکملہ سیر الاولیاء کے مصنف کے حساب کے مطابق خواجہ احمد علی کا سن وصال ۱۲۳۰ھ بنتا ہے، ۱۲۳۱ھ نہیں۔

میاں خدا بخش:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۳۹)

ان [میاں خدا بخش کوٹ مٹھن] کے ملفوظات سرِ دلبراں حقائق و معارف کا گنجینہ ہیں"[۶۳]۔

تبصرہ: خلیق صاحب کو اشتباہ ہوا۔ انھوں نے یا تو میاں خدا بخش کوٹ مٹھن اور مولوی خدا بخش خیر پوری کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا، یا پھر ان کے حوالے سے وہ الجھاؤ کا شکار ہو گئے۔ سرِ دلبراں مولوی خدا بخش خیر پوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جیسا کہ خود نظامی صاحب نے ان کے احوال کی ترقیم کے دوران میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حاشیے میں بھی انھوں نے سرِ دلبراں کے جس مطبوعہ نسخے کا حوالہ دیا ہے، وہ مولوی خدا بخش خیر پوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

خلیفہ اکبر:

تکملہ سیر الاولیاء کے مصنف نے قاضی عاقل محمد کے خلیفۂ اعظم و اکبر کا تذکرہ کرنے کے لیے عنوان قائم کیا تھا:

فصلِ چہارم در ذکرِ آں سلطان العاشقین، بیان سریرِ خلافت را سرور حضرت خلیفہ اکبر رضی اللہ عنہ[۶۴] الواصلین

تبصرہ: خلیق احمد نظامی کو اشتباہ ہوا۔ انھوں نے قاضی عاقل محمد کے اس خلیفۂ اعظم کا نام خلیفہ اکبر سمجھا اور انھیں اسی نام سے موسوم کیا۔ حالاں کہ ان کا اسمِ گرامی سلطان محمود تھا، جیسا کہ تکملہ کے مصنف نے ان کی شان میں کہے گئے اپنے قصیدے کے ایک شعر میں ان کا نام بھی دیا ہے:

چراغِ خواجگانِ نور معبود   شہنشاہِ جہاں سلطان محمود[۶۵]

میاں شریف الدین:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۰)

"ان [میاں شریف الدین] کے وصال کے بعد ان کے صاحب زادے میاں بشیر الدین نے--- سلسلہ کو جاری رکھا"[۶۶]۔

تبصرہ: تکملہ سیر الاولیاء میں میاں شریف الدین کے احوال کے ضمن میں مولوی گل محمد احمد پوری کے پوتے اور سجادہ نشین خواجہ نجم الدین محمد نے حاشیے[۶۷] میں ان کے بیٹے کا نام میاں نشر الدین لکھا ہے، لیکن تاریخِ مشائخِ چشت کے فاضل مصنف نے اسے غلطی سے بشیر الدین پڑھا اور اپنی کتاب میں غلط نام کی ترقیم فرمائی۔

باب ہفتم: حضرت حافظ محمد جمال [اللہ] ملتانی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۱)

ملتان اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلے کا مرکز رہا ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہاں سہروردیہ سلسلے کی ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی کہ ملتان و منصورہ کا سارا علاقہ ان کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا۔ صدیوں تک اس خطے میں سہروردیہ سلسلے کے علاوہ کسی دوسرے سلسلے کو اقتدار حاصل نہیں ہوا[۶۸]۔

تبصرہ: ملتان شہر اور اس کے نواح میں سہروردیہ سلسلے کے ساتھ ساتھ سلسلۂ قادریہ بھی سرگرمِ کار رہا ہے۔ اجودھن میں بابا فرید الدین گنج شکر اور ان کے سجادہ نشینان کا سلسلۂ دعوت وارشاد اس علاقے کا سب سے موثر مرکزِ رشد وہدایت رہا ہے اور الحمد للہ آج بھی اس کی روشنی روز افزوں ہے۔ بستی تاج سرور ابتدا ہی سے چشتیاں کے بابرکت اور مقدس نام سے موسوم رہی ہے۔ شیخ اشرف جہاں گیر سمنانی نے لکھا تھا: چشت دو ہیں۔ ایک ہرات میں اور دوسرا ملتان کے قریب۔ گویا اس زمانے میں بھی چشتیاں کی شہرت آفاق گیر تھی۔ اسی طرح اُچ متبرکہ میں بھی سہروردیہ کے ساتھ ساتھ قادری مشائخ اپنے سلسلے کی اشاعت اور ترویج کے امین رہے ہیں اور مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کی صورت میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ بھی۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۲)

حافظ محمد جمال کے ملفوظات بہت کثرت سے مرتب کیے گئے تھے۔ مندرجہ ذیل ملفوظات خاص طور سے مشہور ہیں: (۱) فضائلِ رضیہ مرتبہ مولوی عبدالعزیز سکنہ قصبہ بڑھیاران [؟ پڑھیاراں] (۲) انوارِ جمالیہ مرتبہ منشی غلام حسن شہید ملتانی (۳) اسرار الکمالیہ مرتبہ زاہد شاہ مٹھٹی [؟ ٹھٹھی][۶۹]۔

تبصرہ: فاضل مصنف نے بہت کثرت سے مرتب ہونے والے ملفوظاتی مجموعوں کی نشان دہی نہیں کی۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ کثرت سے ملفوظات کن کن مریدین نے مرتب اور مدون کیے اور کون کون سے مجموعہ ہائے ملفوظات وجود میں آئے؟ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب کے احوال اور ملفوظات شریف کے صرف اور صرف یہی تین مختصر مجموعے مرتب ہوئے۔ اس عہد کی دیگر جن کتابوں [مثلاً: مناقب المحبوبین، تکملہ سیر الاولیاء اور گلشنِ ابرار وغیرہ] میں بھی حافظ صاحب کے احوال یا ملفوظات نقل ہوئے، وہ انھیں مجموعہ ہائے احوال و ملفوظات سے منقول ہیں۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۳)

ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال (۱۲۲۶ھ)[۷۰]

تبصرہ: ندوہ ایڈیشن میں خوب وصال اور اوکسفرڈ ایڈیشن میں پورے مصرعے کو نشان زد کیا گیا ہے۔ ادبیات ایڈیشن میں پورے مصرعے یا اس کے کسی حصے پر خط نہیں کھینچا گیا، بلکہ مصرعے کی ترقیم کے بعد اگلی سطر میں سن وصال لکھ دیا گیا ہے۔ سنہ وصال چوں کہ یافت خوب وصال سے نکلتا ہے، اس لیے صرف انھیں الفاظ کو نشان زد کیا جانا چاہیے تھا:

ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال (۱۲۲۶ھ)

باب ہشتم: حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۴)

یہ خاندان [خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کا خاندان] افغان قوم کے جعفریہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا[۱]۔

تبصرہ: خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کا قبیلہ جعفر تھا، جعفریہ نہیں۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۵)

آپ [خواجہ شاہ سلیمان تونسوی] چوں کہ افغان تھے، اس لیے اس علاقے میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے[۲]۔

تبصرہ: افغان مختلف قبائل میں منقسم ہیں، جیسے: بنگش، آفریدی، جعفر، درانی، روہیلہ وغیرہ۔ وہ افغان ہونے کے ناتے روہیلہ نہیں کہلاتے تھے، کیوں کہ وہ تو جعفر افغان تھے۔ یہ لقب انھیں بارگاہِ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی سے ملا تھا۔ صرف قبلۂ عالم ہی انھیں اس لقب سے پکارتے تھے، جیسا کہ اس زمانے کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ دیکھیے: مناقب المحبوبین وغیرہ۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۶)

غلام حیدر کا بیان ہے: من بارہا معائنہ نمودم کہ کفشِ ایشاں---غم مدار کہ در قطع منزل تفاوت نخواہد شد[۳]۔

تبصرہ: غلام حیدر کا بیان ہے لکھنے کے بعد، جو اقتباس نقل کیا گیا ہے، وہ نافع السالکین سے منقول ہے اور حاشیے میں اس کتابِ مستطاب کے صفحہ ۱۸ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ عرض صرف یہ ہے کہ نافع السالکین کے مرتب اور جامع کا نام مولوی امام الدین ہے، غلام حیدر نہیں۔ مولوی غلام حیدر سکھانی ایک دوسرے مجموعۂ ملفوظات ملفوظ شریف کے مرتب ہیں اور وہ مجموعہ صاحبِ تاریخِ مشائخِ چشت کی نظر سے نہیں گزرا، کیوں کہ پوری کتاب میں اس کا کہیں مذکور نہیں ہوا۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی مجموعۂ ملفوظات نافع السالکین رہا ہے اور وہ اسی مجموعے سے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ اقتباسات کی ترقیم میں وہ صرف کتاب اور صفحہ نمبر کا حوالہ دیتے ہیں۔ پورے باب میں ایک ہی بار انھوں نے صاحبِ کتاب کا نام لکھا ہے اور وہ بھی غلط۔ البتہ بعد ازاں ماٰخذ میں انھوں نے کتاب اور صاحبِ کتاب کا درست حوالہ دیا ہے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۷)

فاربس نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۰ء میں نواب بہاول خاں والیِ ریاستِ بہاول پور نے خواجہ سلیمان صاحب کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک روضہ تیار کرا دیا[۴۴]۔

تبصرہ: خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ہوا۔ ان کی وفات سے سات سال قبل ان کی یادگار میں روضہ کیسے بن گیا؟ فاضل مؤلف کی نظر اس طرف مبذول نہیں ہوئی اور وہ حسبِ عادت سنہ و سال کے ہیر پھیر میں نہیں پڑے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۸)

خواجہ محمد سلیمان کے دو فرزند تھے: (i) خواجہ گل محمد (ii) خواجہ درویش محمد[۴۵]۔

تبصرہ: خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے دو نہیں، چار فرزند تھے۔ تیسرے اور چوتھے بیٹے کا نام عبداللہ اور احمد تھا، جو بچپن میں انتقال فرما گئے۔ ان صاحب زادوں کا ذکرِ خیر ان مصادر اور مراجع میں ہوا ہے، جو خلیق صاحب کے زیرِ مطالعہ رہے ہیں، لیکن انھوں نے ان سے کلی طور پر استفادہ نہیں کیا۔ مثال کے طور پر دیکھیے: مناقب المحبوبین: ص ۳۲۳ تا ۳۲۷۔

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے خلفاء میں مولوی نور محمد نارووالہ[۴۶] کا نام بھی درج ہے، جو درست نہیں۔ خواجہ نارووالہ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفۂ اول تھے۔ بعد ازاں ان کے خانوادے کے ایک فرزند خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے خلیفہ ہوئے ہیں، ان کا اسمِ گرامی غلام رسول ہے۔

باب نہم: حافظ سید محمد علی خیر آبادی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۴۹)

[مولانا سید محمد علی خیر آبادی کے] اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیر آبادی، حضرت شاہ مینا لکھنوی کے خلیفہ تھے[۴۷]۔

تبصرہ: شیخ سعد خیر آبادی مولانا سید محمد علی خیر آبادی کے اجداد میں سے نہ تھے، بلکہ ان کے ایک بزرگ سید نظام الدین عرف اللہ دیا خراسانی ثم خیر آبادی کے مرشد تھے اور انھیں ان کی بارگاہ سے خلافت بھی ملی تھی۔ مناقبِ حافظیہ کے مرتب نے دوسرے باب میں حافظ سید محمد علی خیر آبادی کا شجرۂ نسب نقل کیا ہے۔ سید نظام الدین عرف اللہ دیا خراسانی ثم خیر آبادی کے تعارفیے میں ان کے مرشدِ گرامی کا تذکرہ کیا ہے۔ خلیق صاحب سے غلطی ہوئی اور انھوں نے شیخ سعد خیر آبادی کو ان کے اجداد میں شامل کر لیا۔ اصل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

زبدۃ الاصفیاء قدوۃ الاولیاء مخدوم سید نظام الدین عرف اللہ دیا خراسانی مولداً و خیر آبادی مدفناً کہ از خلفای مخدوم شیخ سعد صاحب خیر آبادی بودند و بعلم و تقویٰ و زہد معروف[۴۸]۔

حاجی نجم الدین سلیمانی نے بھی لکھا ہے:

از اولادِ شیخ الہدیہ [اللہ دیا] خیر آبادی چشتی اند کہ از خلفای شیخ سعد بڈھن خلیفہ قطب مینا لکھنوی چشتی بودند[۷۹]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۰)

حافظ سید محمد علی خیر آبادی کی بیعت کے سلسلے میں تاریخِ مشائخِ چشت کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں:

حافظ صاحب انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پٹن سے تونسہ روانہ ہوئے۔ شاہ سلیمان کی خدمت میں پہنچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا اظہار بھی نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن حافظ صاحب کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحب میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا: 'جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے، بظاہر میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں۔' یہ سن کر حافظ صاحب کے بے چین قلب کو اطمینان ہوا۔ شاہ صاحب نے پہاڑ پر پاؤں رسی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصے تک حافظ صاحب اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے سلسلے میں داخل کر لیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا[۸۰]۔

مناقب المحبوبین کا بیان ہے:

شبی ایشان را خواجہ [قطب الدین بختیار کاکی] بشارت کرد کہ در تونسہ شریف کہ در ملکِ سنگھڑ است برود از خواجہ سلیمان کہ وارث این خاندانِ چشتیاں درین زمانِ اوست مرید شود۔ در آنجا مقصودِ تو حاصل خواہد شد۔ پس ایشان ہمراہِ چند خادمانِ درگاہِ خواجہ قطب صاحب بر عرسِ حضرت گنج شکر در پاک پتن رفتند و حضرت صاحب محبوبِ رحمن خواجہ سلیمان ہم بر عرس شریف در پاک پتن آمدہ بودند۔ چون خادمانِ مذکور برای زیارتِ حضرت صاحب رفتند، آں جناب از خود از ایشان پرسیدند کہ شخصی محمد علی شاہ نام بایں شکل ہمراہ شما آمدہ است۔ گفتند: آری۔ ایشان را طلبیدہ ہم در پاک پٹن مرید کردند۔ بعدہ ہمراہِ خود در سنگھڑ شریف بردند۔ پس ایشان تا ہفتدہ سال ہم درانجا بریاضتِ شاقہ و مجاہدہ شدید مشغول شدند تا بتوجہ حضرت برتبہ تکمیل رسیدہ بخلافتِ حضرت مشرف شدند[۸۱]۔

غذاء المحبین و سم المعاندین میں سید محمد علی شاہ خیر آبادی کی پاک پٹن آمد اور خواجہ شاہ سلیمان تونسوی سے مرید ہونے کا واقعہ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ دیکھیے:

بعدہ بی تقریب ظاہر این حکایت افادہ فرمودند کہ حاجی خان کاتب پیشِ من حکایت کرد کہ روزی در پاک پتن شریف حضرت صاحب بعد از عصر در مسجد نشستہ بودند و ہزار دو ہزار آدمی گردِ حضرت صاحب نشستہ بودند و تاریخِ سوم یا چہارم محرم بود۔ شخصی پاجامہ ہای کہنہ چاک شدہ و دلوادیم و رسن در دست گرفتہ در مسجد آمدہ دلو و رسن بر زمین نہادہ قدم بوسِ حضرت صاحب شد و حضرت صاحب سر مبارک فرو فرمودہ نشستہ بودند۔ پس سر مبارک برداشتہ بدو نگریستہ برخاستند و او را بسینہ مبارکِ خود چسپانیدند و

برزبانِ مبارک راندند که بیا شاه صاحب خیر است، خیر است، بخیر آمدید۔ الغرض این قدر فرموده بنشستند و پرسیدند که وطنِ شما کدام است شاه صاحب؟ پس وی عرض نمود که غریب نوازا! وطنِ من کھیری خیر آباد است نزدِ لکھنؤ۔ باز حضرت صاحب برزبانِ مبارک راندند که خیر است شاه صاحب خیر است۔

القصه حاجی خان می گفت که ما حیران شدیم که این کس کیست از شناسندگان حضرت صاحب ہم نیست زیرا که ما بچشمِ خود دیده ایم که چون آمده است از مردمان پرسیده است که حضرت صاحب سنگھڑواله کدام کس است؟ پس کسی گفت از اہلِ مجلس اشاره کرد تا قدم بوس شد۔ پس اگر پیش ازین حضرت صاحب رادیده بودی از مردمانِ ما چرا پرسیدی که حضرت صاحب سنگھڑواله کدام است؟ الغرض درین میان مؤذن اذانِ نمازِ شام گفت۔ پس حضرت صاحب فرض وسنتِ شام خوانده بعادتِ مبارکِ خود از مسجد به نظامی برج مایل شدند برای نوافل و نزد نظامی برج بسوی مشرق حجره بود من دران حجره ہمراهِ غلام رسول برادرِ خدابخش لانگری اقامة کرده بودم و گاہی نزدِ مولوی قادر بخش نیز رفته نشستمی فی الجمله بعد از شام بجای نشسته بودم که کس آمده مرا گفت که حضرت صاحب ترا می خوانند۔ پس من همان زمان از آن جای برخاسته بخدمتِ حضرت صاحب حاضر شدم۔ پس حضرت صاحب از من پرسیدند که دوختنِ جامه ہارا کیفیتی دانی؟ پس من عرض کردم که آری غریب نوار۔ بعده پرسیدند که کسی دیگر از فقیران نیز کیفیتِ دوختنِ جامه می داند۔ پس من عرض کردم که آری غریب نوازا۔ بعده حضرت صاحب میاں غلام رسول برادر میاں خدابخش را خوانده ازوی پرسیدند که میاں غلام رسول ریزۂ از پارچه لنگر شریف آمده است۔ پس میاں غلام رسول عرض نمود که آری غریب نوازا دو ریزۂ پارچه سفید درلنگرشریف آمده است۔ پس حضرت بسوی من خطاب فرموده پرسیدند که حاجی خان آن درویشِ ہندوستانی که قبل از شام در مسجد آمده بود، پاجامۂ کہنه و چاک شده اورا می شناسی؟ پس من عرض کردم که آری غریب نوازا! من وی را می شناسم۔ پس حضرت صاحب فرمودند که برای آن درویش سه جامه یک پاجامه ہشت تختی و یک جبه و یک چادر تا نمازِ عشاء آماده کرده بیار۔ بعده فرمودند که تو بر قامتِ خود قیاس نکنی که وی خرد قامت است۔ بعده فرمودند که اورا دیده بودی؟ پس من عرض کردم که آری غریب نوازا من وی را دیده بودم۔ بعده فرمودند که برادرِ میاں غلا م رسول پارچه گرفته ہر سه جامۂ او آماده کرده بیار۔ پس من چند فقیران را خوانده ہمراهِ خود نشانده ساگی جامه ہای وی کردیم و چراغ افروخته بردوختنِ جامه ہا نشتیم۔ القصه بقدر یازده ساعت بود که ہر سه جامه ہا آماده کرده شد۔ پس حضرت صاحب ہمان زمان طعام تناول فرموده نشسته بودند که من جامه ہا آماده کرده حاضرِ خدمت شدم وعرض کردم که جامه ہا آماده کرده شده است۔ پس حضرت صاحب از من پرسیدند که ہر سه جامه آماده کرده شد؟ پس من عرض نمودم که آری غریب نوازا۔ پس حضرت صاحب فرمودند که بیار بمن ده۔ پس من آن جامه ہا بدستِ مبارکِ حضرت صاحب دادم۔ پس حضرت صاحب ہر سه جامه ہارا کشاده دیدند۔ بعده مرا فرمودند که آن درویش را می شناسی۔ پس من عرض کردم که آری غریب نوازا۔ پس حضرت صاحب فرمودند که اورا جستجو کرده نامِ من گرفته بگو که آن جامه ہای کہنه از تن جدا کنید شاه صاحب پس درین میان فرمودند که بدانکه او سید است۔ بعده فرمودند که اورا بگو که شاه صاحب

این جامہ ہا بپوشید کہ با آن جامہ ہای کہنہ نماز خوب نمی شود۔ فی الجملہ حاجی خان می گفت پس من برخاستم، باز حضرت صاحب مرا نزدِ خود خواندہ فرمودند کہ بدانکہ آن درویش در مسجد باشد از انکہ با کسی واقف نیست۔ بعدہ فرمودند کہ ضرور اورا پوشانیدہ بیار۔ القصہ حاجی خان می گفت در مسجد آمدم۔ پس آواز کردم کہ شاہ صاحب لکھنؤوالہ۔ الغرض چند بار آواز کردم، اما کسی آواز نداد۔ پس جستجو کردن شروع نمودم۔ چونکہ در کنجِ مسجد رسیدم دلوی شناختم۔ پس وی را دیدم کہ سر در مراقبہ نہادہ نشستہ است۔ پس من دوشِ وی را گرفتہ جنبانیدم و نامِ مبارکِ حضرت صاحب رابردم۔ پس آن درویش فی الحال برخاست و گفت کہ حضرت صاحب مرا می خوانند۔ پس من گفتم کہ نی، بلکہ این جامہ ہا دادہ اند و فرمودند کہ شاہ صاحب آن کہنہ جامہ ہا از تن دور کنید و جدا کنید و این جامہ ہا بپوشید۔ الغرض آن درویش آن جامہ ہا در دست گرفتہ سر فرو کرد بطریقِ سلام و جامہ ہای برزمین نہادن را ارادہ کرد۔ پس من گفتم کہ اکنون بپوشید کہ مرا حکمِ حضرت صاحب چنین است۔ باز آن درویش سر فرو کرد بطریقِ سلام و آن جامہ ہا کہنہ از تن جدا کرد و این جامہ ہا بپوشید و گفت کہ من با شما بیایم۔ پس من گفتم کہ نی۔ اکنون حضرت صاحت برای نماز در مسجد آیند۔ الغرض حاجی خان می گفت کہ در دل خیال کردم کہ اگر ہمراہِ خود این برم حضرت صاحب بر من خشمگین شوند و فرمایند کہ من ترا گفتہ بودم کہ اورا خواندہ بیار۔ القصہ چون از مسجد باز گشتم۔ حضرت صاحب از مردمان می پرسیدند کہ حاجی خان ہنوز نیامدہ است؟ پس مرا دیدند۔ پس فرمودند کہ حاجی خان جامہ ہا پوشانیدہ آمدی۔ پس من عرض کردم کہ آری غریب نوازا۔ پس حضرت صاحب فرمودند کہ آن را شناختہ بودی ہمان درویش بود کہ دیگر را نپوشانیدہ باشی۔ پس من عرض کردم کہ نی غریب نواز من وی را شناختم۔ پس حضرت صاحب برای نمازِ عشا برخاستند و حضرت صاحب را عادتِ مبارک بود کہ تخمیناً بوقتِ یازدہ ساعت طعام تناول می فرمودند و بوقتِ دوازدہ ساعتہ نمازِ عشاء می خواندند و در مسجد فقط فرض می خواندند و باقی نماز در نظامی برج آمدہ می خواندند۔ فی الجملہ حاجی خان می گفت کہ حضرت صاحب در مسجد فرضِ عشاء خواندند بعادتِ مبارکِ خود در نظامی برج تشریف آوردند و من پیشِ مولوی قادر بخش رفتہ قصہ کردم۔ پس وی گفت کہ کسی از آشنا یان حضرت صاحب باشد۔ پس من گفتم کہ نی، اگر از آشنایانِ ایشان بودی پیش ازین ایشان را دیدہ بودی از مردمان کی پرسیدی کہ حضرت صاحب سنگھڑ والا کدام کس است و من خود دیدم کہ از مردمان می پرسید کہ حضرت صاحب سنگھڑ والہ کدام است؟ تا کہ کسی اشارہ کرد۔ پس قدم بوس شد۔ الغرض حاجی خان می گفت کہ از ان پس مرا معلوم نیست کہ آن درویش حضرت صاحب را کدام وقت ملاقی شد و کدام وقت بیعت کرد، اما چون حضرت صاحب از پاکپتن شریف روانہ شدند ہمان درویش ہمراہ بود۔ حضور غریب نواز قدس سرہ این حکایت نقل فرمودہ برزبانِ مبارک راندند کہ این درویش ہمین محمد علی شاہ است۔ دوازدہ سال در مدینہ منورہ آب می داد تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این را نامِ مبارکِ حضرت صاحب آموختند و فرمودند کہ بطرفِ پاکپتن شریف برو۔ حضرت صاحب آن جا ابیایند و بہرۂ تو نزدِ اوست۔ بعدہ حضرت غریب نواز قدس سرہ فرمودند کہ این محمد علی شاہ صاحب از خاندانِ بزرگ بود و پدرِ وی بزرگ بود و جدِ وی نیز بزرگ بود۔ بعد از ان فرمودند کہ این محمد علی

شاہ صاحب اول بار این جانہ سال اقامۃ کردہ و مجاہدہ کشیدہ و این بنگلہ شریف حضرت صاحب ہمون بدستِ خود بنا کردہ است و یک بار دیگر آمدہ و سہ سال اقامت کردہ و آخر بار شش سال اقامت کرد[۸۲]۔

خلیق احمد نظامی نے اس عہد کے تمام تر ماخذ اور منابع سے استفادہ نہیں کیا۔ یوں ان کے ہاں متضاد رویے نمایاں ہوئے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۱)

حافظ صاحب [حافظ سید محمد علی] حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں دس سال تک مقیم رہے اور کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا[۸۳]۔

تبصرہ: متذکرہ بالا اقتباس میں حرمین شریفین میں سید محمد علی شاہ کی مدتِ قیام بارہ سال بتائی گئی ہے اور حاجی نجم الدین سلیمانی نے لکھا ہے:

---بعدہ حافظ صاحب سمت حرمین شریفین رفتند و پنج سال در حرمین ماندند و اکثر خلق آن جا مریدِ شان شد[۸۴]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۲)

انھوں [مولانا حسن الزماں حیدر آبادی] نے حضرت شاہ فخر الدین صاحب کی مشہور کتاب فخر الحسن کی ضخیم عربی شرح عربی زبان میں القول المستحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے لکھی ہے[۸۵]۔

تبصرہ: شرح کا نام درست رقم نہیں ہوا۔ صحیح نام القول المستحسن فی فخر الحسن ہے۔ اس میں لفظ شرح نہیں ہے، جیسا کہ انھوں نے خود بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ: ادبیات: ص ۴۵۲، اوکسفرڈ: ص ۴۱۰۔ البتہ ندوہ ایڈیشن میں اس کتاب کا نام جہاں بھی آیا ہے، غلط لکھا گیا ہے۔

سجادہ نشین:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۳)

حافظ محمد اسلم صاحب نے ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء کو وصال فرمایا[۸۶]۔

تبصرہ: اس روز ذی قعدہ کی ۲۱ تاریخ تھی۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۴)

حافظ محمد اسلم صاحب کے خلفاء میں حافظ عبدالصمد صاحب مودودی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ [انھوں نے] ۱۷ جمادی الاخر ۱۹۰۵ء / ۱۳۲۲ھ کو وصال فرمایا[۸۷]۔

تبصرہ: ہجری سال ۱۳۲۲ نہیں، ۱۳۲۳ تھا، جیسا کہ ذیل میں دی گئی تواریخ سے ثابت ہے اور ندوہ ایڈیشن سے بھی۔ رک: ص ۶۸۴:

از حکیم مومن سجاد:

شیخ العالم عبدالصمد، خواجه عبدالصمد ابدال قدس سره، شیخ العالم زبده مقبلاں، شنہشاہِ اربابِ توکل، شرین کلام گوہر نشاں، دائرۂ دولتِ محبوبِ خدا

از حافظ اخلاق حسین:

والی غریب نواز، محبوبِ الہیٰ سید بنده نواز، الصابرین والصادقین والقانتین

از حکیم حبیب علی:

امام الانام دخل الجنہ[۸۸]۔

باب دہم: حاجی نجم الدین سلیمانی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۵)

حضرت حاجی [نجم الدین سلیمانی] صاحب کی بسم اللہ ۷ سال کی عمر میں اس زمانے کے مشہور بزرگ مولانا رمضان صاحب قادری مہمی نے پڑھائی[۸۹]۔

تبصرہ: قدیم زمانے سے مسلمانوں کے پڑھے لکھے گھرانوں میں یہ رواج تھا کہ جب بچے کی عمر چار سال، چار ماہ اور چار دن ہوتی تھی تو اس کی رسمِ بسم اللہ ادا کی جاتی تھی۔ سات سال لکھتے ہوئے خلیق صاحب کی توجہ اس روایت اور رواج کی طرف بھی نہ گئی اور انھوں نے بلا حوالہ چار کے بجائے سات سال لکھ دی۔ اس ضمن میں نجم الارشاد کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمایئے:

[حاجی نجم الدین نے] فرمایا کہ ایک بار مولوی محمد رمضان مہمی القادری جھونجھنوں تشریف لائے۔ میں اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور میری عمر تقریباً چار سال کی تھی۔ جناب بھائی شہاب الدین مرید اور خلیفہ مولانا ممدوح کے تھے، میرا ہاتھ پکڑ کر ایک سفید کاغذ اور دوات قلم لے کر مولانا صاحب کے پاس لے گئے اور عرض [کی] کہ قبلہ! میرے اس بھائی کو بسم اللہ پڑھایئے۔ مولانا صاحب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ کر مجھے سبق پڑھایا۔ اس وقت والد صاحب اور ہم سب موجود تھے[۹۰]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۵۶)

[حاجی نجم الدین سلیمانی] ۱۰ شعبان (۱۸۳۷ء / ۱۲۵۳ھ) کو خواجہ تونسوی کے دولت کدے پر حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب عبادت میں مشغول تھے۔ شوقِ ملاقات میں آپ سے ضبط نہ ہو سکا اور حجرے کے اندر چلے گئے۔ خواجہ تونسوی کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر بے خودی سی طاری ہو گئی۔۔۔ اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان نے ان کو حلقۂ مریدین میں شامل کر لیا[۹۱]۔

تبصرہ: حاجی نجم الدین سلیمانی ۱۰۔ شعبان کو نہیں، بلکہ ۱۲ شعبان ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو مرید ہوئے۔ اس سلسلے میں وہ خود رقم طراز ہیں:

در آن سال که این کاتب الحروف از بیعتِ حضرت مشرف شده بود، ہمان سال این مولوی صاحب [مولانا محمد علی مکھڈی] فوت شده بودند، یعنی فقیر بتاریخ دوازدہم شعبان در ۱۲۵۳ ہجری

مرید شدہ و مولوی صاحب بتاریخ بست و نہم ماہِ رمضان روزِ پنجشنبہ در سنہ مذکور در وقتِ یکپاس روز برآمدہ فوت شدند[۹۲]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت:اقتباس۵۷)

۶ محرم ۱۸۳۸ء/ ۱۲۸۴ھ کو پاک پتن میں خواجہ تونسوی نے ایک بڑے مجمع کے سامنے، جس میں شرف الدین صاحب اور دیگر مشائخ اور علماء شامل تھے، حاجی صاحب کو خلافت عطا فرمائی[۹۳]۔

تبصرہ: تاریخ کے ندوہ ایڈیشن میں سنہ ہجری درست مذکور تھا اور سنہ عیسوی سے اس کی تطبیق نہیں کی گئی(رک:ص ۶۸۷)۔ادبیات اور اوکسفرڈ کی اشاعتوں میں ہجری اور عیسوی سنین میں تطبیق تو کی گئی، لیکن غلط۔۱۸۳۸ء کی مطابقت ۱۲۸۴ھ نہیں، ۱۲۵۴ھ ہونی چاہیے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت:اقتباس۵۸)

خلیق صاحب کے نام مولانا غلام سرور نے اپنے ایک خط میں حاجی نجم الدین کے حوالے سے لکھا کہ:

ہمارے ملک میں اردو زبان کے سب سے پہلے مصنف اور حامی آپ ہی ہیں۔ اردو زبان کی بزم ادب، یعنی شاعری کا سہرا بارھویں صدی کے وسط سے آپ ہی کے سرِ اقدس پر بندھا ہوا نظر آتا ہے[۹۴]۔

تبصرہ: بارھویں صدی نہیں، بلکہ تیرھویں صدی ہونا چاہیے، کیوں کہ حاجی صاحب ۱۲۳۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۲۸۷ھ کو رحلت فرمائی۔ ان کا زمانہ تیرھویں صدی کا ہے۔صاحب تاریخِ مشائخ چشت کی توجہ اس مغالطے کی طرف مبذول نہیں ہوئی اور انھوں نے خط کا اقتباس من و عن نقل کر دیا۔ اگر ان کی توجہ مکتوب نگار کی اس غلطی کی طرف مبذول ہوتی تو وہ بارھویں صدی کے بعد قوسین میں کذا لکھتے یا سوالیہ نشان لگاتے، جس سے قارئین کو پتا چلتا کہ مکتوب الیہ، صاحبِ مکتوب کی غلطی سے آگاہ ہیں، لیکن اب یہ غلطی بھی ان کے کھاتے میں ہے۔

حاجی صاحب نے ۱۹ رمضان ۱۲۸۷ھ کو انتقال فرمایا۔ان کے صاحب زادے نور احمد نے قطعۂ تاریخ کہا۔ خلیق احمد نظامی نے قطعے کی نقل میں احتیاط سے کام نہیں لیا:

(تاریخِ مشائخِ چشت:اقتباس۵۹)

شاہنشہِ ولایت نجمِ ہدیٰ و دیں بُد[۹۵]

رواروی میں ان سے اس کی ترقیم میں غلطی در آئی۔ پیشِ نظر مصرعے سے درست سن کا استخراج نہیں ہوتا۔نجم الارشاد میں اس قطعے کا یہ مصرع یوں ضبطِ تحریر میں آیا ہے اور اس سے درست سن کا استخراج ہوتا ہے:

شاہنشاہِ ولایت نجمِ ہدیٰ و دیں بُد[۹۶]

(تاریخِ مشائخِ چشت:اقتباس۶۰)

حاجی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک شاہ ضیاء الدین صاحب جے پوری کے خلیفہ لطف خاں صاحب کی لڑکی سے، دوسری شیخ عبدالکریم کی لڑکی سے[97]۔

تبصرہ: حاجی نجم الدین سلیمانی نے دو نہیں، بلکہ تین شادیاں کی تھیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں خلیق صاحب نے حاجی صاحب کے سسر کا نام بھی غلط لکھا ہے۔ لطف خاں کے بجائے لطف اللہ خاں ان کا صحیح نام ہے۔ پھر نجم الارشاد میں انھیں مولانا ضیاء الدین جے پوری کا مرید کہا گیا ہے خلیفہ نہیں، جب کہ خلیق صاحب نے انھیں خلیفہ لکھا ہے۔ نجم الارشاد کے مؤلف [شاہ محمد نصیر الدین ابنِ حاجی نجم الدین سلیمانی] کا کہنا ہے:

قبلۂ عالم (نجم الدین) محی الاسلام و معین الدین احمدی کے تین بیویاں تھیں۔ ان میں بڑی والدہ ماجدۂ کاتب اس کتاب کی مسماۃ ملوک النساء بنتِ خاں صاحب لطف اللہ خاں عرف ننھے خاں کہ جو نواب دولت خاں صاحب فتح پور کی اولاد سے تھے اور یہ خاں صاحب (لطف اللہ) حضرت ضیاء الدین صاحب چشتی نظامی فخری جے پوری کے مرید تھے۔ دوسری بی بی عظیم النساء، جو شیخ عبدالکریم پیرزادہ جھو نجھنوں اولادِ سلطان التارکین میں ہیں۔ تیسری بیوی آں قبلہ صاحب کی مخدومہ حسین بی بی ہے، جو سیدانی تھی اور یہ دراصل پانی پت کی رہنے والی ہیں[98]۔

تاریخِ مشائخِ چشت میں حاجی صاحب کی اولاد کا احوال نامکمل بھی ہے اور محلِ نظر بھی۔ وہ رقم طراز ہیں:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۱)

پہلی بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں: (۱) مولانا نصیر الدین شاہ (۲) عبداللطیف شاہ (۳) نور احمد شاہ (۴) فضیلت النساء (۵) لطیف النساء[99]۔

تبصرہ: اب ذرا ملاحظہ فرمائیے نجم الارشاد کے حوالے سے حاجی نجم الدین سلیمانی کی اولاد کی تفصیل:

(الف) ملوک النساء کے بطن سے: پانچ بیٹے۔ شاہ محمد نصیر الدین، شاہ عبداللطیف، شاہ نور احمد، محمد بخش اور امین الدین (آخری دونوں صاحب زادے طفولیت میں فوت ہو گئے۔ ان کا ذکر خلیق صاحب نے نہیں کیا)۔ چار بیٹیاں۔ فضیلت النساء، لطیف النساء، فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ (دونوں فاطمہ کا ذکر تاریخِ مشائخِ چشت میں مفقود ہے)۔

(ب) عظیم النساء کے بطن سے: پانچ بیٹے۔ عبدالواسع، محمد رمضان، سرفراز علی، شمس الدین اور امین الدین۔ دو بیٹیاں: علیم النساء اور ام کلثوم (خلیق صاحب نے اس بی بی کی اولاد کا ذکر نہیں کیا)۔

(ج) تیسری بیوی حسین بی بی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (خلیق صاحب نے اس بی بی کا تذکرہ نہیں کیا)[100]۔

باب یازدہم: خواجہ شمس الدین سیالوی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۲)

مولوی علی محمد صاحب [کذا] کے اولاد نہ تھی[101]۔

تبصرہ: مولوی محمد علی کھڈی نے مجرد زندگی گزاری۔ محولہ بالا جملے سے یہ مترشح ہے کہ وہ شادی شدہ تھے، لیکن ان کی اولاد نہیں ہوئی۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ کو انتقال فرمایا۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخِ وصال کہی۔ خلیق صاحب نے قطعۂ تاریخ کی نقل میں احتیاط سے کام نہیں لیا، کیوں کہ متعلقہ مصرع:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۳)

بگفتا: شمس اوجِ علم دیں رفت[102]

سے ۱۲۹۴ھ کے اعداد بر آمد ہوتے ہیں۔ البتہ اگر علم اور دین میں واؤ عاطفہ شامل کر دی جائے تو آہنگ بھی متاثر نہیں ہوتا اور اعداد بھی پورے ہو جاتے ہیں۔

پیر غلام حیدر شاہ جلال پور:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۴)

[سید غلام حیدر علی شاہ] پھر جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بہ مقام نین وال تشریف لے گئے[103]۔

تبصرہ: اس مقام کا نام نین وال نہیں، پنن وال ہے[104]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۵)

[سید غلام حیدر شاہ نے] ۷ رجب (۱۸۵۴ء / ۱۲۷۱ھ) کو ان [خواجہ شمس الدین سیالوی] کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے[105]۔

تبصرہ: عیسوی سنہ ۱۸۵۴ء کے بجائے ۱۸۵۵ء بنتا ہے، جیسا کہ ذکرِ حبیب میں مذکور ہے:

اس حساب سے تاریخِ بیعت ۱۲۷۱ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۸۵۵ء ہے[106]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۶)

بیعت کے بعد آپ [سید غلام حیدر شاہ] کا یہ دستور تھا کہ ہر دسویں دن پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب چھٹی مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا[107]۔

تبصرہ: تاریخِ مشائخِ چشت کے مصنف نے بڑے تیقن کے ساتھ ہر دسویں دن شیخ کی خدمت میں حاضری کا جو معمول بتایا ہے، وہ بلا تحقیق ہے۔ ذکرِ حبیب کے مصنف ملک محمد دین نے تو مہینے میں دو تین بار کا ذکر کیا ہے، لیکن اسے دستور العمل نہیں کہا کہ وہ لازماً اسی نظم کے مطابق سیال شریف حاضر ہوتے تھے۔ دوسرا یہ کہ خلیق صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس سے مترشح ہے کہ غلام حیدر شاہ کو چھٹی مرتبہ سیال شریف آمد پر خلافت سے سرفراز کیا گیا۔ ذکرِ حبیب کے مصنف کے مطابق وہ ہر مہینے میں دو تین بار حاضر ہوتے۔ اگر خلیق صاحب کے فرمودے کے مطابق انھیں چھٹی بار آمد پر خلافت دی گئی تو پھر چھٹی بار آمد کی یہ شرط دوسرے تیسرے مہینے پوری ہو گئی ہو گی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مرید ہونے کے چار پانچ سال بعد انھیں خلافت ارزانی ہوئی۔ ذکرِ حبیب کے مصنف ملک محمد دین نے لکھا ہے:

شیخ علیہ الرحمۃ کی محبت دل میں گھر کر چکی تھی۔ گھر میں جی کیا لگتا؟ ایک ہی دن ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور آپ دوسرے ہی دن پھر چلے آئے۔ پھر تو یہ دستور ہو گیا کہ ایک مہینے دو تین بار آپ سیال شریف جاتے اور واپس آتے---عطائے خلافت کے متعلق صحیح روایت یہ ہے کہ جب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کو چار پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک دفعہ حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: شاہ صاحب اب کے جو یہاں آؤ تو اپنی والدہ ماجدہ سے ایک ماہ کے قیام کی اجازت لے کر آنا۔ چناں چہ آپ واپس تشریف لائے۔ حسبِ ہدایت شیخ والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ علومِ باطنی کے علاوہ ظاہری تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ آپ نے محض تحصیلِ علم کے لیے ترکستان اور کابل وغیرہ کا سفر بھی فرمایا تھا۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ تصوف کی چند کتابیں مطالعہ کرادی جائیں۔ چناں چہ مرقع شریف اور کشکول وغیرہ کا درس شروع ہوا[۱۰۸]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۷)

ان کی تاریخِ وصال از روئے درد

انتقالِ پیر حیدر شاہ ہے[۱۰۹]

تبصرہ: پیر حیدر شاہ کو نشان زد کیا گیا، جب کہ اس سے سنہ وصال کا استخراج نہیں ہوتا۔ انتقالِ پیر حیدر شاہ میں درد کے پہلے حرف د کے چار عدد شامل کرنے سے درست سن وصال نکل آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ان کی تاریخِ وصال از روئے درد

انتقالِ پیر حیدر شاہ ہے[۱۱۰]

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۸)

۱۹ ربیع الآخر ۱۹۱۶ء / ۱۳۳۵ھ کو انھوں [سید محمد مظفر علی شاہ] نے وصال فرمایا[۱۱۱]۔

تبصرہ: ربیع الآخر کی ۱۹ویں نہیں، ۲۹ویں تاریخ تھی[۱۱۲]۔

پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۶۹)

خواجہ صاحب [پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف] کے والدِ ماجد سید نظیر الدین شاہ نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگر سوزی کے ساتھ کی تھی[۱۱۳]۔

تبصرہ: پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے والدِ ماجد کا اسمِ مبارک سید نذر دین ہے[۱۱۴]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۰)

[پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کا] سلسلۂ نسب ۲۴ویں پشت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے جاملتا ہے[۱۱۵]۔

تبصرہ: مولوی فیض احمد فیض نے مہرِ منیر میں لکھا ہے کہ:

حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ جیلانی، رزاقی، قادری، چشتی (نظامی و صابری)، حنفی قدس سرہ کے نسب پاک کا سلسلہ پچیس (۲۵) واسطوں سے حضرت غوث الاعظم اور چھتیس (۳۶) واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے"[۶]۔

خواجہ حسن نظامی:

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۱)

"خواجہ حسن نظامی کو ان کے والد نے کم عمری میں خواجہ اللہ بخش تونسوی کا مرید کرا دیا تھا۔ ان کے وصال کے بعد بڑے بھائی نے خواجہ غلام فرید کا مرید کرا دیا"[۷]۔

تبصرہ: خواجہ اللہ بخش تونسوی کی تاریخ وصال ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء ہے، جب کہ خواجہ غلام فرید کا انتقال ان سے ایک مہینہ بیس دن قبل ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء / ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ (تذکرہ مشائخِ چشت: ص ۳۳۱) کو ہو گیا تھا۔ پھر خواجہ اللہ بخش تونسوی کی وفات کے بعد خواجہ حسن نظامی کو بڑے بھائی یعنی خواجہ غلام فرید سے مرید کرانا۔۔۔ایں چہ بوالعجبیست

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۲)

حالاتِ مشائخ میں خواجہ صاحب کی سب سے گراں قدر کتاب نظامی بنسری ہے۔ اس میں حضرت محبوب الٰہی کی زندگی اور تعلیم کی ایسی موثر تصویر کشی کی ہے کہ قرونِ وسطیٰ کا ماحول آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے"[۸]۔

تبصرہ: (i) یہ کتاب نظامی بنسری حالاتِ مشائخ میں نہیں، بلکہ حضرت نظام الدین اولیاء کی پُر انوار مجالس کا روزنامچہ ہے۔

(ii) یہ خواجہ حسن نظامی کی کتاب نہیں، بلکہ خود ان کے بقول: راج کمار ہر دیو کی فارسی کتاب چہل روزہ کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمے پر خواجہ صاحب نے حواشی اور تعلیقات بھی لکھے ہیں۔

(iii) حیرت ہے کہ اپنے استاد پروفیسر محمد حبیب کے اتباع اور تقلید میں چشتیہ سلسلے کے اولین بزرگوں کے مجموعہ ہائے ملفوظات کو جعلی، وضعی اور مشکوک جاننے والا مؤرخ اس کتاب کو گراں قدر قرار دے رہا ہے۔ اس کتاب کا ایک بھی خطی نسخہ کہیں محفوظ نہیں۔ خواجہ صاحب کے علاوہ یہ روزنامچہ کسی دوسرے کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس کتاب پر بھی وہ سارے اعتراضات وارد کیے جاسکتے ہیں، جو گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی کے چشتی ملفوظات پر کیے گئے۔ ملفوظاتی سرمائے پر ان اعتراضات کو درست تسلیم کرنے والا اس کتاب کو کس بنا پر گراں قدر قرار دے رہا ہے؟ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

باب دوازدہم: خواجہ اللہ بخش تونسوی

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۳)

خواجہ اللہ بخش ماہِ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء کو تونسہ میں پیدا ہوئے تھے"[۱۱۹]۔

تبصرہ: خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ولادت ذی الحجہ کے بجائے صفر کے مہینے میں ہوئی، جیسا کہ انھوں نے خود ارشاد فرمایا:

(i) تولدِ من در ماہِ صفر بتاریخ دوازدہم یا سیزدہم بود"[۱۲۰]۔

(ii) من در ماہِ صفر متولد شدم دوازدہم یا سیزدہم ماہِ صفر و نامِ من صاحب زادہ نور احمد صاحب نہادہ است"[۱۲۱]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۴)

(۲) مولوی محمد صالح نے تاریخ کہی: زہے بیدار بخت"[۱۲۲]۔

تبصرہ: اولاً یہ کہ مولوی صاحب موصوف کا نام مولوی صالح محمد تھا، محمد صالح نہیں۔ دوسرا یہ کہ تاریخ مولوی صالح محمد نے نہیں، بلکہ ان کے بھائی مولوی علی محمد نے کہی تھی۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی نے اپنی ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

چون متولد شدم حضرت صاحب رضی اللہ عنہ در مہاران شریف بودند و چہار روز از روانہ شدنِ حضرت صاحب رضی اللہ عنہ باقی ماندہ بود کہ مژدۂ تولدِ من بردند و تولدِ من در ماہِ صفر بتاریخ یازدہم یا دوازدم بود۔ فی الجملہ حضرت صاحب رضی اللہ عنہ ہمان روز روانہ شدند و ہمراہِ حضرت صاحب رضی اللہ عنہ میاں صالح محمد و مولوی علی محمد ہر دو برادر بودند۔ پس حضرت صاحب رضی اللہ عنہ میاں صالح محمد را فرمودند کہ تاریخِ این کودکِ بختاور کسی بر آرد۔ پس میاں صالح محمد برادر مولوی علی محمد را خبر کرد۔ بعد از لحظہ مولوی علی محمد آمد۔ میاں صالح محمد را گفت کہ من تاریخِ این کودکِ بختاور بر آوردہ ام: زہی بیدار بخت۔ پس میاں صالح محمد بخدمتِ حضرت صاحب آمدہ این تاریخ پیش کرد۔ حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ این تاریخ [را] بسیار پسندیدند و فرمودند کہ مطابقِ کودک است"[۱۲۳]۔

اسی مجموعۂ ملفوظات کی ایک دوسری مجلس میں بھی اس واقعے کا ذکرِ خیر ہوا ہے۔ دیکھیے:

---در راہ ہمرکابِ حضرت صاحب مولوی قادر بخش و مولوی علی محمد و میاں صالح محمد ہر دو برادر و دیگر مولویان بودند۔ پس حضرت صاحب اوشان را فرمودند کہ: معرکہ کوئی تاریخ ایں چھور دی کڈھو۔ پس ہر کسی در دلِ خویش خیالِ تاریخ می کرد کہ میاں صالح محمد در خدمتِ حضرت صاحب آمدہ عرض نمود کہ برادرِ من مولوی علی محمد تاریخِ این کودک بر آوردہ: زہی بیدار بخت۔ پس حضرت صاحب شنیدہ خوشنود شدند و پسند فرمودند"[۱۲۴]۔

تبصرہ: خواجگانِ تونسہ کے دیگر تذکروں میں بھی تاریخ گو کا نام مولوی علی محمد ہی ملتا ہے۔ (رک: ملفوظاتِ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ شاہ محمد اللہ بخش تونسوی (اردو ترجمہ: غذاء المحبین و

سم المعا ندین: ص۵۷۵و۶۵۴تذکرہ حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش کریم تونسوی: ص۴۰۳اوص۲۷۴)مولوی صالح محمد سے اس مادۂ تاریخ کے انتساب کی غلطی پہلی بار خاتمِ سلیمانی کے مؤلف اللہ بخش خان بلوچ سے ہوئی۔(دیکھیے کتابِ مذکور کا ص ۵۲)۔ ثانوی ماخذ پر انحصار کرنے کی وجہ سے پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی اس مغالطے کا شکار ہوئے۔ اگرچہ مستند اور معتبر ماخذ اور منابع ان کے زیرِ نظر تھے، لیکن انھوں نے اس جانب توجہ مبذول نہ فرمائی اور یوں خاتمِ سلیمانی کے مندرجات ہی پر اکتفا کرنے کے سبب وہ مولوی صالح محمد سے اس تاریخی مادے کا انتساب کر گئے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۵)

جب [خواجہ اللہ بخش تونسوی] کی تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوئی تو خواجہ تونسوی نے مولوی محمد امین کے سپرد کر دیا۔ مولوی صاحب صاحبِ کمال عالم تھے۔ انھوں نے قرآنِ پاک کے علاوہ فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی بھی تعلیم دی۔ پھر حدیث کا درس دیا۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو دادا نے سلوک و معرفت کی تعلیم کے لیے خود اپنے پاس بلا لیا[۲۵]۔

تبصرہ: اس اقتباس کے آخری چند الفاظ اپنے پاس بلا لیا سے اشتباہ ہوتا ہے کہ شاید خواجہ اللہ بخش کہیں باہر تھے، جنھیں اپنے پاس تونسہ شریف میں بلا لیا، حالاں کہ ایسا نہیں تھا۔ خواجہ اللہ بخش کی تعلیم درگاہِ عالیہ کے مدرسے میں ہوئی، جہاں مختلف علوم و فنون کے یگانہ روزگار علماء اور صاحبِ کمال موجود تھے۔ خواجہ اللہ بخش ہمہ وقت خواجہ پیر پٹھان کی بارگاہِ عرش مقام میں باریاب تھے۔ مستند ماخذ اور منابع سے مترشح ہے کہ وہ اپنے دادا کی زندگی میں کبھی تونسے سے باہر نہیں گئے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۶)

خواجہ اللہ بخش نے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو وصال فرمایا۔ تاریخ ہے:

چراغِ جہاں بجھ گیا ہے (۱۳۱۹ھ)[۲۶]

تبصرہ: جہاں بجھ کے الفاظ کے نیچے لائن کھینچ کر ۱۳۱۹ھ لکھ دیا گیا ہے۔ ان دو الفاظ سے محض ۶۹ کا عدد برآمد ہوتا ہے۔ صحیح اور درست سن کے تعین کے لیے پورے مصرعے کو نشان زد کرنا چاہیے تھا، جیسا کہ ندوہ ایڈیشن میں ہے: رک: ص ۲۳۷۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۷)

[حافظ محمد حامد تونسوی نے] ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۳۱ء کو وصال فرمایا[۲۷]۔

تبصرہ: ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو عیسوی سن ۱۹۳۲ تھا اور اپریل کی ۳۰ ویں تاریخ تھی[۲۸]۔

(تاریخِ مشائخِ چشت: اقتباس ۷۸)

حافظ صاحب [خواجہ محمود تونسوی] نے ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کو وصال فرمایا[۱۲۹]۔

تبصرہ: خواجہ محمود تونسوی کا سانحۂ انتقال ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۷ھ / ۷ استمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا[۱۳۰]۔

(۶)

چند دیگر فرو گذاشتیں:

(۱) راقم نے زبان، بیان اور اسلوب کے حوالے سے بھی اس کتاب کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا۔ کہیں کہیں لفظوں کا استعمال محلِ نظر ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

(i) شہرِ نو کیلو کھڑی، سیری، تغلق آباد، جہان آباد، فیروز آباد کی آبادیاں اپنے عروج و کمال کی داستانیں صفحۂ روزگار پر لکھ کر ہمیشہ کے لیے پژمردہ ہو چکی تھیں[۱۳۱]۔

تبصرہ: آبادیوں کی ویرانی اور بربادی کے اظہار لیے لفظ پژمردہ کا استعمال درست نہیں۔ یہاں لفظ ویران ہونا چاہیے تھا، تاکہ آبادیوں کے زوال کی داستان کو اس لفظ کے تناظر میں عکس انداز کیا جا سکتا۔

(ii) جمنا خاموشی سے اس کی تصویر کو سینے سے لگائے دبے پاؤں بہہ رہی تھی[۱۳۲]۔

تبصرہ: اس جملے میں دو تسامحات راہ پا گئے ہیں:

(الف) جمنا مذکر ہے۔ پروفیسر صاحب نے اسے مونث استعمال کیا۔

(ب) دوسرا یہ کہ دریا کے لیے دبے پاؤں بہنے کا استعمال محلِ نظر ہے۔ وہ کیفیت، جسے خلیق صاحب خاموشی اور دبے پاؤں کو بیک وقت استعمال کر کے اُبھارنا چاہتے ہیں، خاموشی سے بہنے میں موجود ہے۔

(iii) شاہ محمد سلیمان نے جس وقت پنجاب میں مسندِ ارشاد بچھائی تھی، اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے[۱۳۳]۔

تبصرہ: مراحل کا محل تھا، منازل کا نہیں۔

(iv) باطناً درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، لیکن محبتِ الٰہی کے جوش سے رات دن اشکباری میں گزارتے تھے اور ایک ایسے رہبرِ کامل کی تلاش میں سرگرداں تھے[۱۳۴]۔

تبصرہ: باطناً کے بجائے ظاہراً ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ درس و تدریس کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے، باطن سے نہیں۔

(v) علاوہ ازیں یہ سوئے ادبی ہے[۱۳۵]۔

تبصرہ: سوءِ ادب کی جگہ سوئے ادبی لکھنا غلط ہے۔ اول اول یہ ترکیب ذکرِ حبیب کے مصنف ملک محمد دین نے استعمال کی تھی: "سوا اس کے مجھ کو سوء ادبی کا بھی خیال ہے"۔ (ص ۱۰۳)۔ خلیق احمد نظامی نے غلام حیدر

شاہ کے احوال کی ترقیم میں زیادہ تر محمد دین صاحب کی عبارات پر انحصار کیا اور انھیں اپنے انداز میں بدلنے کی کوشش کی۔ یوں وہ رواروی میں اس غلط ترکیب کو بھی استعمال کر گئے۔

(vi) مغلیہ سلطنت اپنی شان و شوکت، اقبال و اقتدار کا دور ختم کر رہی تھی[۳۶]۔

تبصرہ: کیا کوئی سلطنت اپنی شان و شوکت اور اقبال و اقتدار کا دور خود ختم کرتی ہے یا کر سکتی ہے؟ مقصود ان کا اس جملے سے یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت اور اقبال و اقتدار کا دور ختم ہو رہا تھا، لیکن انھوں نے جملے کو جو ساخت اور لحن عطا کیا، وہ محلِ نظر ہے۔

(vii) "تھوڑی ہی عمر میں علومِ ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا"[۳۷]۔

تبصرہ: عمر کے بجائے یہاں مدت کا محل تھا، یعنی تھوڑی ہی مدت میں---

(۲) خلیق احمد نظامی نے ایک شخصیت کے حوالے سے لکھتے ہوئے مختلف ضمائر کا استعمال کرتے ہیں۔ دو مثالیں دیکھیے:

(الف) علومِ ظاہری سے فراغت کے بعد شاہ فخر الدین دہلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی اور علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے دن رات اسی میں غرق رہنے لگے۔ آپ کی لیاقت، استعداد اور سعیِ پیہم سے پیر بہت متاثر ہوئے۔ خلافت سے سرفراز فرمایا اور بریلی میں اقامت کی ہدایت کی۔ بریلی پہنچ کر انھوں نے اپنی خانقاہ قائم کی، جو بہت جلد بقولِ مولانا غلام سرور: 'معدنِ فیوضِ ربانی' اور 'مطلعِ انوارِ سبحانی' بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لیے آتے تھے[۳۸]۔

(ب) بایں ہمہ ان کی شہرت شاہ نیاز احمد صاحب ہی سے تعلق کی بنا پر ہوئی۔ شاہ صاحب نے ان کو جے پور روانہ فرمایا، جہاں ہندو اور مسلمان سب ہی آپ سے عقیدت رکھنے لگے[۳۹]۔

(۳) خلیق صاحب نے ناموں کی ترقیم میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ وہ ایک نام کو مختلف مقامات پر مختلف طرح لکھتے ہیں۔ کہیں غلط، کہیں نامکمل اور کہیں درست۔ بعض مقامات پر ایک ہی شخصیت کا نام کئی طرح لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس بے احتیاطی سے دورانِ مطالعہ الجھن پیدا ہوتی ہے اور کتاب کا علمی معیار بھی متاثر ہوتا ہے، لیکن اس جانب توجہ مبذول نہ ہونے کی وجہ سے اسمائے معرفہ (اشخاص اور اماکن) تحریر کرنے میں کئی نوع کی غلطیاں در آئی ہیں۔ چند مثالیں:

- حافظ محمد جمال اللہ ملتانی کا اسمِ گرامی پوری کتاب میں جہاں کہیں بھی مذکور ہوا، درست اور مکمل صورت میں نہیں لکھا گیا۔ کہیں حافظ محمد جمال، کہیں جمال الدین ملتانی اور کہیں حافظ محمد جمال ملتانی کی صورت میں ترقیم کی گئی۔
- خواجہ عاقل محمد کا نام ہر جگہ خواجہ محمد عاقل تحریر ہوا۔
- غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب کے صاحب زادے کا نام میاں نظام الدین نہیں، غلام نظام الدین تھا۔
- میاں تاج محمود کے بڑے صاحب زادے کا نام خواجہ محمد شریف نہیں، خواجہ شریف محمد تھا۔
- میاں تاج محمود کے خلیفہ میاں فضل علی خان کا مزار سکھانی نہیں، سکھانی والا میں ہے۔

- میاں تاج محمود کے ایک خلیفہ کا نام مولوی چندودہ نہیں، مولوی سلطان محمود المعروف مولوی جندوڈا ہے۔
- مولانا عبداللہ کی نوشتہ شرح کا عنوان تنسیم کے بجائے تسنیم لکھا گیا۔ تسنیم شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی تصنیفِ لطیف ہے، جس کی انھوں نے شرح لکھی۔

اشخاص:	درست
۔ ہنوال	ہندال
۔ بہبل یا بابل	بھبل
۔ عاقل بی بی	بی بی عاقل خاتون
۔ شیخ احمد کہوکر	شیخ احمد کھوکھر
۔ محکم دین سیلانی	محکم دین سیرانی
۔ حضرت مارہروی	حضرت مہاروی
۔ حافظ محمد صالح ساکن بہیرہ	حافظ محمد اصلح ساکن بھیرہ
۔ مولوی عبدالعزیز سکنہ قصبہ بڑھیاراں	مولوی عبدالعزیز سکنہ قصبہ پرہاراں
۔ قاضی محمد عمر سید پوری	قاضی محمد عمر حکیم سیت پوری
۔ مولوی محمد گہلویکہلوی	مولوی محمد گھلوی
۔ میاں خواجہ محمود	میاں خواج محمود
۔ حافظ غلام حسین	حافظ غلام حسن
۔ نور محمد بڈرہ محمد پور	نور محمد برڑہ محمد پور
۔ ذکریا بن عبدالوہاب	زکریا بن عبدالوہاب
۔ پیر حیدر علی شاہ جلال پوری	سید غلام حیدر شاہ جلال پوری
۔ مولوی حیات علی دہلوی	مولوی محمد حیات دہلوی
۔ کہرل	کھرل

اماکن:	درست
۔ بہرتہہ	بھرتھ
۔ پنچھ	پونچھ

۔پھولرہ	پھولڑہ
۔جھونجھونوں	جھونجھنوں
۔چاچڑان	چاچڑاں
۔چوہاٹہ	چوٹالہ
۔مٹہٹی	ٹھٹھی
۔مکہڈ	مکھڈ
۔یارن والیپاراوالی	یارے والی

خلیق صاحب نے مناقبِ حافظیہ کے حوالے سے خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے ۶۳ خلفاء کی ایک فہرست مرتب کی۔ ان میں سے چند ایک خلفاء کے نام اور ان کی جائے سکونت کے اندراج میں سہو ہوا۔ ذیل میں ان کی نشان دہی مع تصحیح کی جاتی ہے۔

	درست
۔مولوی محمد باراں کلاچوی	مولوی محمد باران خان کلاچوی
۔مولوی علی محمد مکہڈی	مولوی محمد علی مکھڈی
۔نور عالم سکنہ مکہڈ	نور عالم سکنہ مکھڈ
۔تقی محمد لانگوی	تقی محمد لانگھوی
۔حافظ عظمت علی طفیروی نواحی مہار	حافظ عظمت علی توگیروی نواحِ مہار
۔مولوی غلام رسول طفیروی	مولوی غلام رسول توگیروی
۔میاں دلیل خاں پوری	میاں دلیل خانپوری
۔سجل خاں سکنہ پھنڈی	سوجھل خان سکنہ بنڈی
۔غلام محمد ملفانی	غلام محمد ملغانی
۔غلام رسول خاں، کو افغان	غلام رسول خان ماکو افغان
۔مولوی شمس الدین سکنہ مساہیول	مولوی شمس الدین سکنہ ساہیوال

(۴) اشعار نقل کرتے ہوئے بھی خلیق احمد نظامی نے رواروی سے کام لیا۔ مختلف مقامات پر مختلف صورتیں وقوع پذیر ہوئیں۔ کہیں مصرعے آہنگ اور ردھم سے خارج ہو گئے ہیں اور کہیں معنی خلط ملط۔ کہیں مصرعے

لفظوں کی کمی بیشی کا شکار ہوئے اور کہیں پرانے املا کی وجہ سے ان کی لفظی اور معنوی صورت میں درست نہیں۔ کہیں ایک شعر کا مصرع کسی دوسرے شعر کے ساتھ مل کر ایک نئی صورت میں متشکل ہوا۔ اس سے شعر کی صورت تو بگڑی ہی، معنویت بھی متاثر ہوئی۔ کہیں مصرعے میں کوئی لفظ رہ گیا اور کہیں لفظ کا ایزاد اس کی فنی صورت میں بگاڑ کا باعث ہوا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

شاہ نیاز بریلوی:

رکھتے ہیں نیاز یہ اہلِ دل ترے شعر سننے کا اشتیاق [140]

درست:

رکھیں ہیں نیاز یہ اہلِ دل ترے شعر سننے کا اشتیاق [141]

بھلا ایک غزل اور بھی ایسی کہیو   تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں [142]

درست:

بھلا اک غزل اور بھی ایسی کہیو   تجھے میں فصیح البیاں دیکھتا ہوں [143]

کروں کیا بیاں ہم نشیں اثر اس کے لطفِ نگاہ کا [144]

درست:

کروں کیا بیان میں ہم نشیں اثر اس کے لطفِ نگاہ کا [145]   سو کشش نے دامنِ ناز کی اسے بھی زمیں سے مٹا دیا [146]

درست:

سو کشش سے دامنِ ناز نے اسے بھی زمیں سے مٹا دیا [147]

مجھے چین خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال [148]

درست:

کیا ہی چین خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال [149]

یہ جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا [150]

درست:

سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا[151]

صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں[152]

درست:

صبر و قرار و شکیب، تاب و تواں، عقل و دیں[153]

اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جانِ تو[154]

درست:

سب نے تو لی اپنی راہ رہ گئی ایک جانِ تو[155]

عالم کہے جس کو جہاں جسم و جان[156]

درست:

عالم کہے جس کو جہاں یعنی جہانِ جسم و جاں[157]

طوطی ہو جب داستاں سراسو سو طرح سے دے نوا[158]

درست:

طوطی ہو جب دستاں سرا سو سو طرح سے دے نوا[159]

آپ میں آپ کو جلا دیکھا[160]

درست:

آپ کو آپ میں جلا دیکھا[161]

بر سرِ دار وہ کھینچا دیکھا[162]

درست:

بر سرِ دار وہ کھنچا دیکھا[163]

برنگِ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ جوڑ[۱۶۴]

درست:

برنگِ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ نہ جوڑ[۱۶۵]

جو کچھ کہ پیدا ہے سب عینِ حق ہے کہ ایک بحر ہستی رواں دیکھتا ہوں[۱۶۶]

درست:

یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عینِ حق ہے کہ اک بحر ہستی رواں دیکھتا ہوں[۱۶۷]

حرم و دیر میں یکساں دیکھتا ہوں[۱۶۸]

درست:

حرم دیر میں ایکساں دیکھتا ہوں[۱۶۹]

گہہ ابل کر وہ گرے گہہ خُم سے نکلے پھوٹ پھوٹ[۱۷۰]

درست:

گہہ ابل باہر گرے گہہ خُم سے نکلے پھوٹ پھوٹ[۱۷۱]

(ب) کہیں ایک شعر کا مصرع کسی دوسرے شعر کے ساتھ مل کر ایک نئی صورت میں متشکل ہوا۔ اس سے شعر کی صورت تو بگڑی، معنویت بھی متاثر ہوئی، مثلاً:

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا[۱۷۲] گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا

درست:

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا
وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا[۱۷۳]

بہادر شاہ ظفر:

کہے ہے کعبہ، امن واماں تمھیں تو ہو[174]

درست:

کہے ہے کعبہ ٔ امن واماں تمھیں تو ہو[175]

کہ میرے باعثِ تاب وتواں تمھیں تو ہو[176]

درست:

کہ میرا باعثِ تاب وتواں تمھیں تو ہو[177]

ظفر کی چاہیے تمھیں نصرتِ نصرالدین کہ اس کے یار و مددگار تمھیں تو ہو[178]

درست:

ظفر کی چاہیے نصرت تمھیں نصیر الدین کہ اس کے یار و مددگار ہاں تمھیں تو ہو[179]

پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف:

کشود نافہ ٔ مشکیں بر روئے اہلِ نیاز[180]

درست:

کشود نافہ ٔ مشکیں بروئے اہلِ نیاز[181]

کیم گدائے درِ مفلسی کو تاہ دست[182]

درست:

کیم گدائے درِ مفلسی و کوتاہ دست[183]

توئی کہ ذرہ صفت را با آسماں بردی[184]

درست:

توئی کہ ذرہ صفت رابآسماں بردی[185]

رہینِ ساقیِ چشم کہ جرعہ بچشاند[186]

درست:

رہینِ ساقیِ چشمم کہ جرعہ بخشاند[۱۸۷]

علامہ محمد اقبال:

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے　　　　شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر[۱۸۸]

تبصرہ: اس کا مصرعِ اولیٰ غلط ہے۔ اصل میں مصرع یوں ہے:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے[۱۸۹]

سید غلام حیدر شاہ:

جو ہر جا فیض ترا عام سائیں[۱۹۰]

درست:

جو ہر جا فیض تیرا عام سائیں[۱۹۱]

نظارہ جے کرو جد جیدیاں میں[۱۹۲]

درست:

نظارہ جے کرو جند جیدیاں میں[۱۹۳]

دکھا مکھ کھول کے بانوری ہوں[۱۹۴]

درست:

دکھا مکھ کھول کے مکھ بانوری ہوں[۱۹۵]

(۵) تاریخِ مشائخِ چشت میں جہاں کہیں بھی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا ذکر ہوا، پروفیسر صاحب موصوف نے اسے غدر کا نام دیا۔

(۶) مولانا فخر الدین محمد دہلوی کا جو کتبۂ مزار نقل کیا گیا ہے، اس میں (ندوہ ایڈیشن میں) کلمہ غلط درج ہو گیا ہے: محمد الرسول اللہ بجائے محمد رسول اللہ۔ اسی طرح درود شریف میں لفظ اللّٰھم بھی غلط لکھا گیا ہے۔

(۷) مآخذ کے عنوان سے انھوں نے ان تمام کتب اور رسائل و جرائد کی فہرست مرتب کی، جو اس کتاب کی تحریر و تسوید کے دوران ان کے زیرِ مطالعہ رہے یا انھوں نے اپنے اس تحقیقی کام میں ان سے اخذ واستفادہ

کیا۔ انھوں نے خطی کتابوں سے بھی استفادہ کیا اور مطبوعہ کتابوں سے بھی۔ اصل متون بھی ان کے پیشِ نظر رہے اور تراجم بھی۔ عربی اور فارسی کی کتابیں بھی ان کے تصرف میں رہیں اور اردو اور انگریزی کی بھی۔ انھوں نے کتابیات کی ترتیب و تہذیب میں جدید تحقیقی منہج اور اسلوب سے انحراف کیا۔ کہیں سنہ اشاعت کا ذکر نہیں تو کہیں ناشر کا نام و پتا مفقود۔ کہیں کتاب کا مقامِ اشاعت نامعلوم ہے تو کہیں سن اشاعت کی تعیین نہیں کی گئی۔ کہیں ترجمہ نگار کا نام نہیں لکھا تو کہیں مدون اور مرتب کا۔

(۷)

ان تمام تسامحات اور اغلاط کے باوجود تاریخِ مشائخِ چشت اپنے تحقیقی اسلوبِ اظہار اور اندازِ نگارش کے اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز کتاب ہے۔ صاحبِ کتاب کے اسلوب میں رعنائی اور تازگی کے کتنے ہی رنگ اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ وہ صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ اس کتاب میں کہیں کہیں رنگینی اور شادابی بھی دکھائی دیتی ہے، لیکن ان کے اسلوب کا یہ رنگ ان کے تحقیقی آہنگ کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اس میں کہیں بھی گنجلک اور الجھاؤ کا گزر نہیں۔ روانی، برجستگی اور صفائی ان کی زبان اور بیان کا حسن بھی ہے اور ان کے اسلوب کی پہچان بھی۔ علمی اور تحقیقی حقائق کی ترسیل ان کے خوش آہنگ بیانیے کی بدولت خوش نما رنگوں میں منعکس ہوئی اور ابلاغ کا رنگ کہیں بھی مدھم اور ماند نہیں ہوا۔ یہ ان کی زبان و بیان اور اسلوبِ اظہار پر فکری اور فنی گرفت کا اظہاریہ ہے۔ ایسے تحقیقی لوازمے کی پیش کش اور معارف کے بیان کے لیے علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) نے جو اسلوب متعارف کرایا تھا، اس کے کئی رنگ خلیق صاحب کے ہاں بھی موجود ہیں۔ وہ بیسویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے سب سے بڑے محقق تھے۔ زمانہ ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا اور آئندہ بھی اس کا امکان ذرا کم ہی نظر آتا ہے۔

حوالہ جات اور حواشی:

۱۔ تاریخ، ندوہ ایڈیشن، ص ۱۳ و ۱۴

۲۔ ____، ادبیات دلی ایڈیشن، ص ۵

۳۔ ____ اوکسفرڈ ایڈیشن، ص ع

۴۔ ____ ندوہ، ص ۳۶۶، ادبیات، ص ۲۷ و ۳۷، اوکسفرڈ، ص ۵۰

۵۔ ____ ندوہ میں یہ حاشیہ موجود نہیں، رک، ص ۳۶۹، ادبیات، ص ۷۶، اوکسفرڈ، ص ۵۳۔۵۴

۶۔ ____ ندوہ، ص ۳۷۱، ادبیات، ص ۷۸، اوکسفرڈ، ص ۵۴

۷۔ ____ ندوہ، ص ۳۷۸۔۳۷۹، ادبیات، ص ۸۸، اوکسفرڈ، ص ۶۴

۸۔ ____ ندوہ، شیخ بہلول کا نام متن میں تو آیا ہے (شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول، ص ۳۷۸۔ ۳۷۹)، لیکن اس پر حاشیہ موجود نہیں۔ یہ حاشیہ پہلی بار ادبیاتِ دلی والے ایڈیشن میں شامل ہوا اور اس میں تضاد بیانی در آئی۔ ادبیات، ص ۸۸، اوکسفرڈ، ص ۶۴

۹۔ پہلے ایڈیشن (ندوہ) میں شیخ یحییٰ مدنی کی درست تاریخِ ولادت (۲۰۔ رمضان ۱۰۱۰ھ) درج کی گئی (رک، ص ۳۸۲)۔ بعد ازاں ادبیات ایڈیشن میں جب اس سنہ ولادت کی عیسوی سال سے تطبیق کی گئی تو وہ غلط ہو گئی۔ دیکھیے، ادبیات، ص ۹۲، اوکسفرڈ، ص ۶۸

۱۰۔ ____ ندوہ، ص۳۸۳، ادبیات، ص۹۳، اوکسفرڈ، ص۶۹

۱۱۔ مفتاح الکرامات (احوال وملفوظاتِ شیخ یحییٰ مدنی) محمد فاضل بن شیخ فیروز (جامع)، خطی، ص۸۱۲

۱۲۔ تاریخ، ندوہ، اس ایڈیشن میں یہ مذکور نہیں۔، ادبیات، ص۹۳، اوکسفرڈ، ص۶۹

۱۳۔ مجالسِ کلیمی، ادارہ فروغِ معارفِ نظامیہ، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء ص۲۸۔۲۹

۱۴۔ تاریخ، ندوہ، صرف ہجری سنہ ۱۱۰۱ھ لکھا گیا ہے اور عیسوی سے اس کی تطبیق نہیں کی گئی۔ رک، ص ۳۹۲، ادبیات، ص ۱۰۲، اوکسفرڈ، ص۷۷

۱۵۔ ____ ندوہ میں موجود نہیں، ادبیات، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، اوکسفرڈ، ص۱۰۴

۱۶۔ ____ ندوہ، ص۴۲۱، ادبیات، ص۱۴۴، اوکسفرڈ، ص۱۱۳

۱۷۔ ____ ندوہ، ص۴۲۲، ادبیات، ص۱۴۵، اوکسفرڈ، ص۱۱۴

۱۸۔ مناقب المحبوبین، ص۴۷

۱۹۔ تاریخ۔ ندوہ، ص۴۵۶، ادبیات، ص۱۷۶، اوکسفرڈ، ص۱۴۳

۲۰۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں شامل نہیں۔ ادبیات، ص۱۷۹، اوکسفرڈ، ص۱۴۵۔ ۱۴۶

۲۱۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں شامل نہیں۔ ادبیات، ص۱۸۰، اوکسفرڈ، ص۱۴۷

۲۲۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں شامل نہیں۔ ادبیات، ص ۱۸۰، اوکسفرڈ، ص۱۷۴

۲۳۔ دیکھیے دیباچہ از مصنف، مجالسِ کلیمی، ص۲۱۔۲۳

۲۴۔ تاریخ۔ ندوہ ایڈیشن میں شامل نہیں، ادبیات، ص۱۸۱، اوکسفرڈ، ص۱۴۷

۲۵۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں شامل نہیں، ادبیات، ص۱۸۱، اوکسفرڈ، ص۱۴۷

۲۶۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں مطبوعہ کے بجائے قلمی نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ رک، ص۴۶۲، ادبیات، ص۱۸۵، اوکسفرڈ، ص۱۵۰

۲۷۔ ____ ندوہ، اس ایڈیشن میں یہ حاشیہ موجود نہیں۔ رک، ص ۴۶۲، ادبیات، ص۱۸۵، اوکسفرڈ، ص۱۵۰

۲۸۔ احوال وافکار وآثار، عماد الملک غازی الدین خان نظام، ص۱۰۹

۲۹۔ تاریخ، ندوہ، ص۴۶۹۔ ۴۷۰، ادبیات، ص۱۹۱۔ ۱۹۲، اوکسفرڈ، ص۱۵۶

۳۰۔ مثنوی فخریۃ النظام، ص۲۶۱۔۲۶۲

۳۱۔ تاریخ، ندوہ، ص۴۸۰، ادبیات، ص۲۰۱، اوکسفرڈ، ص۱۶۵

۳۲۔ رک، مناقب المحبوبین کے صفحاتِ ذیل، ۷۹۔۸۰، ۵۱تا۵۳

۳۳۔ تاریخ، ندوہ میں ذکر نہیں۔ رک، ص ۵۰۲ تا ۵۰۴، ادبیات، ص۲۲۴، اوکسفرڈ، ص۱۸۶

۳۴۔ ____ ندوہ، ص۵۱۴، ادبیات، ص۲۳۵، اوکسفرڈ، ص۱۹۶۔ ۱۹۷

۳۵۔ مناقب المحبوبین، ص۵۱

۳۶۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۱۷، ادبیات، ص۲۳۵، اوکسفرڈ، ص۱۹۹

۳۷۔ مناقب المحبوبین، ص۵۱

۳۸۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۱۸، ادبیات، ص۲۳۹، اوکسفرڈ، ص۲۰۱۔

۳۹۔ کلیاتِ مومن، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، بارِ دوم مارچ ۲۰۰۸ء، ص۳۴۶

۴۰۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۴۰۔۵۴۱،، ادبیات، ص۲۵۹۔ ۲۶۰،، اوکسفرڈ، ص۲۱۹

۴۱۔ ____ ندوہ، ص۵۴۴، ادبیات، ص۲۶۲، اوکسفرڈ، ص۲۲۲

۴۲۔ ____ ندوہ، یہاں کتاب کا نام درست لکھا گیا ہے۔ رک، ص۵۵۹، ادبیات، ص۲۷۶ اوکسفرڈ، ص۲۳۴

۴۳۔ ____ ندوہ، ص۵۵۰، ادبیات، ص۲۶۸۔ ۲۶۹، اوکسفرڈ، ص۲۲۷

۴۴۔ ____ ندوہ، ص۵۴۹۔ ۵۵۰، ادبیات، ص۲۶۸، اوکسفرڈ، ص۲۲۷

۴۵۔ ____ ندوہ، ص۵۵۱، ادبیات، ص۲۶۹، اوکسفرڈ، ص۲۲۹

۴۶۔ مناقب المحبوبین، ص ۱۰۲

۴۷۔ تاریخ، ندوہ، ص ۵۶۰، ادبیات، ص ۲۷۷، اوکسفرڈ، ص ۲۳۵

۴۸۔ مثنوی فخریۃ النظام، ص ۲۷۶تا۲۷۹

۴۹۔ تاریخ، ندوہ، ص ۵۶۸، ادبیات، ص ۲۸۶ اوکسفرڈ، ص ۲۴۴

۵۰۔ ذیل کے چار شعر وحدتِ ادیان کے ضمن میں بطور دلیل نقل ہوئے۔ ان سے وحدتِ ادیان کا مفہوم تو کہیں سے برآمد نہیں ہوتا۔ شاہ نیاز بریلوی وحدۃ الوجودی فکر کے ترجمان تھے۔ ان اشعار سے اسی فکر کی معنویت نمایاں ہے؛

یہ سب ادیان و ملل ہیں شاخ ہائے درخت ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیاں سب پھوٹ پھوٹ

گر بادۂ توحید پئیں اہلِ مشارب ہفتاد و دو ملت کی ہو تکرار فراموش

جو رب الحرم ہے صنم بھی وہی ہے حرم دیر میں ایکساں دیکھتا ہوں

اِسے برہمن اور اُسے شیخ مانے یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

(تاریخ، ندوہ، ص ۵۶۸۔۵۶۹، ادبیات، ص ۲۸۶ اوکسفرڈ، ص ۲۴۵)

۵۱۔ تاریخ، ندوہ، میں سنہ ہجری مرقوم ہے، لیکن عیسوی سے اس کی تطبیق نہیں کی گئی۔ رک، ص ۵۷۳، ادبیات، ص ۲۹۱ اوکسفرڈ، ص ۲۴۹

۵۲۔ ____ ندوہ، ص ۵۷۳

۵۳۔ ____، ادبیات، ص ۲۹۱۔۲۹۲ اوکسفرڈ، ص ۲۵۰

۵۴۔ دیوانِ شاہ نیاز، حکیم نیاز احمد صابری (تدوین و ترتیب)، سیرت فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۵۵۔ تاریخ، ندوہ کی اشاعت کے وقت عزیز میاں حیات تھے۔ رک، ۵۷۳، ادبیات، ص ۲۹۲ اوکسفرڈ، ص ۲۵۰

۵۶۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی، ص ۴۷۰

۵۷۔ تاریخ، ندوہ میں ان کا ہجری سنہ مرقوم ہے، اس کی عیسوی سے تطبیق نہیں کی گئی۔ رک، ص ۵۷۴، ادبیات، ص ۲۹۳ اوکسفرڈ، ص ۲۵۱

۵۸۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی، ص ۴۹۱

۵۹۔ تاریخ، ندوہ میں متعلقہ حصے کو درست صورت میں نشان زد کیا گیا ہے۔ رک، ص ۵۷۴، ادبیات، ص ۲۹۳ اوکسفرڈ، ص ۲۵۱

۶۰۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی، ص ۴۹۳

۶۱۔ تاریخ، ندوہ میں صرف سنہ ہجری دیا گیا ہے۔ رک، ص ۵۹۲، ادبیات، ص ۳۱۰، اوکسفرڈ، ص ۲۶۷۔ ۲۶۸

۶۲۔ تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۵۴

۶۳۔ تاریخ، ندوہ میں مذکور نہیں۔ رک، ص ۵۹۴، ادبیات، ص ۳۱۲ اوکسفرڈ، ص ۲۶۹

۶۴۔ تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۵۸

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۶۶۔ تاریخ، ندوہ ص ۵۹۷، ادبیات، ص ۳۱۴، اوکسفرڈ، ص ۲۷۲

۶۷۔ تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۵۸

۶۸۔ تاریخ، ندوہ، ص ۵۹۸، ادبیات، ص ۳۱۷ اوکسفرڈ، ص ۲۷۴

۶۹۔ ____ ندوہ، ص ۶۰۵۔۶۰۶، ادبیات، ص ۳۲۴ اوکسفرڈ، ص ۲۸۱

۷۰۔ ____ ندوہ، ص ۶۰۶، ادبیات، ص ۳۲۴ اوکسفرڈ، ص ۲۸۲

۷۱۔ ____ ندوہ ص۶۱۱، ادبیات، ص۳۳۰، اوکسفرڈ، ص۲۸۷

۷۲۔ ____ ندوہ ص۶۱۱، ادبیات، ص۳۳۰اوکسفرڈ، ص۲۸۷

۷۳۔ ____ ندوہ ص۶۱۷، ادبیات، ص۳۳۶اوکسفرڈ، ص۲۹۳

۷۴۔ ____ ندوہ ص۶۵۹، ادبیات، ص۳۷۶اوکسفرڈ، ص۳۳۲

۷۵۔ ____ ندوہ ص۶۶۳، ادبیات، ص۳۸۰اوکسفرڈ، ص۳۳۶

۷۶۔ ____ ندوہ ص۶۶۵، ادبیات، ص۳۸۲اوکسفرڈ، ص۳۳۸

۷۷۔ ____ ندوہ ص۶۶۷، ادبیات، ص۳۸۳۔۳۸۴اوکسفرڈ، ص۳۴۰

۷۸۔ مناقبِ حافظیہ، ص۴۳

۷۹۔ مناقب المحبوبین، ص۳۵۲

۸۰۔ تاریخ، ندوہ ص۶۶۹ادبیات، ص۳۸۵اوکسفرڈ، ص۳۴۲

۸۱۔ مناقب المحبوبین، ص۳۵۲

۸۲۔ غذاء المحبین وسم المعاندین، ص۱۱۰۔ ۱۱۵

۸۳۔ تاریخ، ندوہ ص۶۷۰ادبیات، ص۳۸۶اوکسفرڈ، ص۳۴۲

۸۴۔ مناقب المحبوبین، ص۳۵۳

۸۵۔ تاریخ، ندوہ ص۶۸۲۔ ۶۸۳ادبیات، ص۳۹۸اوکسفرڈ، ص۳۵۷

۸۶۔ ____ ندوہ ص۶۸۴ادبیات، ص۳۹۹اوکسفرڈ، ص۳۵۸

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ ملفوظ مصابیح القلوب (حصہ اول)، ص۹۰

۸۹۔ تاریخ، ندوہ، ص۶۸۶، ادبیات، ص۴۰۲، اوکسفرڈ، ص۳۶۰

۹۰۔ نجم الارشاد، ص۵۷

۹۱۔ تاریخ، ندوہ، ص۶۸۷، ادبیات، ص۴۰۲۔۴۰۳، اوکسفرڈ، ص۳۶۱

۹۲۔ مناقب المحبوبین، ص۳۵۱

۹۳۔ تاریخ، ندوہ، ص۶۸۷، ادبیات، ص۴۰۳، اوکسفرڈ، ص۳۶۱

۹۴۔ ____ ندوہ، ص۶۹۳، ادبیات، ص۴۰۸، اوکسفرڈ، ص۳۶۶

۹۵۔ ____ ندوہ، ص۶۹۶، ادبیات، ص۴۱۱، اوکسفرڈ، ص۳۶۸

۹۶۔ نجم الارشاد، ص۳۸۹

۹۷۔ تاریخ، ندوہ، ص۶۹۶، ادبیات، ص۴۱۱، اوکسفرڈ، ص۳۶۸

۹۸۔ نجم الارشاد، ص۳۷

۹۹۔ تاریخ، ندوہ، ص۶۹۶، ادبیات، ص۴۱۱، اوکسفرڈ، ص۳۶۸

۱۰۰۔ نجم الارشاد، ص۳۷تا۴۱

۱۰۱۔ تاریخ، ندوہ، ص۷۰۴، ادبیات، ص۴۱۹، اوکسفرڈ، ص۳۷۴

۱۰۲۔ ____ ندوہ، ص۷۰۵، ادبیات، ص۴۲۰، اوکسفرڈ، ص۳۷۶

۱۰۳۔ ____ ندوہ، ص۷۰۹، ادبیات، ص۴۲۴، اوکسفرڈ، ص۳۸۱

۱۰۴۔ ذکرِ حبیب، ص۸۰

۱۰۵۔ تاریخ، ندوہ، اس میں عیسوی سنہ مذکور نہیں۔ رک، ص۷۱۰، ادبیات، ص۴۲۴، اوکسفرڈ، ص۳۸۱

۱۰۶۔ ذکرِ حبیب، ص۹۵

۱۰۷۔ تاریخ، ندوہ، ص۱۰ا۷، ادبیات، ص۴۲۴، اوکسفرڈ، ص۳۸۱

۱۰۸۔ ذکرِ حبیب، ص۹۷۔ ۱۰۴۔۱۰۵

۱۰۹۔ تاریخ، ندوہ ایڈیشن میں اکبر الہ آبادی کا قطعہ تاریخ شامل نہیں۔ رک، ص۷۱۲ ادبیات، ص۴۲۷، اوکسفرڈ، ص۳۸۴

۱۱۰۔ ____ ندوہ، اکبر الہ آبادی کا خود نوشت قطعہ تاریخ شاملِ اشاعت نہیں۔ ادبیات، ص۴۲۹ کے سامنے بلا نمبر صفحے پر۔ اوکسفرڈ، ص۳۸۰

۱۱۱۔ ____ ندوہ، ص۷۱۳، ادبیات، ص۴۲۷، اوکسفرڈ، ص۳۸۴

۱۱۲۔ ذکرِ حبیب، ص۲۲۳

۱۱۳۔ تاریخ۔ ندوہ، ص۷۱۳، ادبیات، ص۴۲۸، اوکسفرڈ، ص۳۸۵

۱۱۴۔ مہرِ منیر، ص۳

۱۱۵۔ تاریخ، ندوہ، ص۷۱۳، ادبیات، ص۴۲۸، اوکسفرڈ، ص۳۸۵

۱۱۶۔ مہرِ منیر، ص۳

۱۱۷۔ تاریخ، ندوہ والے ایڈیشن میں حسن نظامی کا ذکر نہیں ہے۔ ادبیات، ص۴۳۲، اوکسفرڈ، ص۳۸۹

۱۱۸۔ ____، ادبیات، ص۴۳۲، اوکسفرڈ، ص۳۸۹

۱۱۹۔ ____ ندوہ، ص۷۱۹، ادبیات، ص۴۳۶، اوکسفرڈ، ص۳۹۳

۱۲۰۔ غذاء المحبین وسم المعاندین، ص۱۲۳

۱۲۱۔ ____، ص۴۸۹

۱۲۲۔ تاریخ، ندوہ، ص۷۱۹، ادبیات، ص۴۳۶، اوکسفرڈ، ص۳۹۳

۱۲۳۔ غذاء المحبین وسم المعاندین، ص۱۲۷

۱۲۴۔ ایضاً، ص۴۹۰

۱۲۵۔ تاریخ، ندوہ، ص۷۱۹، ادبیات، ص۴۳۶، اوکسفرڈ، ص۳۹۳

۱۲۶۔ ____، ادبیات، ص۴۴۰، اوکسفرڈ، ص۳۹۷

۱۲۷۔ ____ ندوہ ایڈیشن میں سنہ وصال مذکور نہیں۔ رک، ص۷۲۳، ادبیات، ص۴۴۰، اوکسفرڈ، ص۳۹۸

۱۲۸۔ فیض المشائخ، ص۱۷۷، 'مناقب المحبوبین'، پروفیسر افتخار احمد چشتی (ترجمہ، تلخیص وترتیب)، ص۱۷۷

۱۲۹۔ تاریخ، ندوہ ایڈیشن میں سنہ وصال مذکور نہیں۔ رک، ص۷۲۳، ادبیات، ص۴۴۱، اوکسفرڈ، ص۳۹۸

۱۳۰۔ سیرۃ المحمود، ص۱۳۳، 'مظہر سلیمانیہ بضمیمہ خیالاتِ فریدیہ'، ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، 'تذکرۂ شاہ نظام الدین محمودی سلیمانی'، ص۱۱۴، 'فیض المشائخ'، ص۱۷۸ 'حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، ص۱۷۶ 'تذکرہ حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش کریم تونسوی، ص۱۷۱

۱۳۱۔ تاریخ، ندوہ، ندارد۔ رک، ص۳۶۶ ادبیات، ص۱۷، اوکسفرڈ، ص۴۹

۱۳۲۔ ____ ایضاً

۱۳۳۔ ____ ندوہ، ص۶۰۸ ادبیات، ص۳۲۷، اوکسفرڈ، ص۸۴۔ ۸۵

۱۳۴۔ ____ ندوہ، ص۷۰۳ ادبیات، ص۴۱۸، اوکسفرڈ، ص۳۷۳۔۳۷۴

۱۳۵۔ ____ ندوہ، ص۷۱۰ ادبیات، ص۴۲۵، اوکسفرڈ، ص۳۸۲

۱۳۶۔ ____ ندوہ، ص۴۲۷ ادبیات، ص۱۵۲، اوکسفرڈ، ص۱۲۰

۱۳۷۔ ____ ندوہ، ص۷۱۳ ادبیات، ص۴۲۸، اوکسفرڈ، ص۳۸۵

۱۳۸۔ ____ ندوہ، ص۵۶۳ ادبیات، ص۲۸۱، اوکسفرڈ، ص۲۳۸

۱۳۹۔ ____ ندوہ، ص۵۷۴ ادبیات، ص۲۹۳، اوکسفرڈ، ص۲۵۱

۱۴۰۔ ــــــ ندوہ، ص۵۶۵، ادبیات، ص ۲۸۳، اوکسفرڈ، ص ۲۴۰

۱۴۱۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۶

۱۴۲۔ تاریخ۔ ندوہ، ص۵۶۵، ادبیات، ص۲۸۳، اوکسفرڈ، ص ۲۴۰

۱۴۳۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۲۳

۱۴۴۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۵، ادبیات، ص۲۸۳، اوکسفرڈ، ص۲۴۱

۱۴۵۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۵

۱۴۶۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۶، ادبیات، ص۲۸۴، اوکسفرڈ، ص۲۴۲

۱۴۷۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۶

۱۴۸۔ تاریخ۔ ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۴، اوکسفرڈ، ص۲۴۲

۱۴۹۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۶

۱۵۰۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۴، اوکسفرڈ، ص۲۴۲

۱۵۱۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۶

۱۵۲۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۴، اوکسفرڈ، ص۲۴۲

۱۵۳۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۳۱

۱۵۴۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۴، اوکسفرڈ، ص۲۴۲۔

۱۵۵۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۳۱

۱۵۶۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۳

۱۵۷۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۱۷

۱۵۸۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۳

۱۵۹۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۱۸

۱۶۰۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۸، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۳

۱۶۱۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۸

۱۶۲۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۸، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۳

۱۶۳۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۸

۱۶۴۔ تاریخ، ندوہ، درست۔ رک، ص۵۶۸، ادبیات، ص۲۸۶، اوکسفرڈ، ص۲۴۴

۱۶۵۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۱۶

۱۶۶۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۸، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۴

۱۶۷۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۲۳

۱۶۸۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۹، ادبیات، ص۲۸۶، اوکسفرڈ، ص۲۴۵

۱۶۹۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۲۲

۱۷۰۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۷۰، ادبیات، ص۲۸۷، اوکسفرڈ، ص۲۴۶

۱۷۱۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۱۱

۱۷۲۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۶۷، ادبیات، ص۲۸۵، اوکسفرڈ، ص۲۴۳

۱۷۳۔ دیوانِ نیازِ بے نیاز، ص۷

۱۷۴۔ تاریخ، ندوہ، ص۵۱۷، ادبیات، ص۲۳۸، اوکسفرڈ، ص۲۰۰

۱۷۵۔ دیوانِ ظفر، جلد دوم، ص ۱۰۳

۱۷۶۔ تاریخ، ندوہ، ص ۵۱۷، ادبیات، ص ۲۳۹، اوکسفرڈ، ص ۲۰۰

۱۷۷۔ دیوانِ ظفر، جلد دوم، ص ۱۰۳

۱۷۸۔ تاریخ، ندوہ، ص ۵۱۷، ادبیات، ص ۲۳۹،، اوکسفرڈ، ص ۲۰۰

۱۷۹۔ دیوانِ ظفر، جلد دوم، ص ۱۰۴

۱۸۰۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۶، ادبیات، ص ۴۳۱، اوکسفرڈ، ص ۳۸۸

۱۸۱۔ مرأۃالعرفان، ص ۸

۱۸۲۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۶، ادبیات، ص ۴۳۱، اوکسفرڈ، ص ۳۸۸

۱۸۳۔ مرأۃالعرفان، ص ۸

۱۸۴۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۲، ادبیات، ص ۴۳۱، اوکسفرڈ، ص ۳۸۸

۱۸۵۔ مرأۃالعرفان، ص ۸

۱۸۶۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۷، ادبیات، ص ۴۳۲، اوکسفرڈ، ص ۳۸۸

۱۸۷۔ مرأۃالعرفان، ص ۸

۱۸۸۔ تاریخ، ندوہ، ص ۴۶۰ ادبیات، ص ۱۸۳، اوکسفرڈ، ص ۱۴۸

۱۸۹۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص ۵۸، ۳۸۳

۱۹۰۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۰، ادبیات، ص ۴۲۵، اوکسفرڈ، ص ۳۸۲

۱۹۱۔ ذکرِ حبیب، ص ۱۰۰

۱۹۲۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۰، ادبیات، ص ۴۲۵، اوکسفرڈ، ص ۳۸۲

۱۹۳۔ ذکرِ حبیب، ص ۱۰۰

۱۹۴۔ تاریخ، ندوہ، ص ۷۱۰، ادبیات، ص ۴۲۵، اوکسفرڈ، ص ۳۸۲

۱۹۵۔ ذکرِ حبیب، ص ۱۰۰

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

احمد پوری، گل محمد، مولوی، جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ، تکملہ سیر الاولیاء، مطبعِ رضوی، دہلی

اقبال، علامہ، بارِ دہم ۲۰۱۱ء، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

بارِ دوم جمادی الاول ۱۳۴۸ھ، دیوانِ نیازِ بے نیاز، مطبع آگرہ اخبار، آگرہ

بلوچ، اللہ بخش، ۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ، سیرۃ المحمود، اقبال برقی پریس، ملتان

بلوچ، اللہ بخش، ۱۳۲۵ھ، خاتمِ سلیمانی، خادم التعلیم اسٹیم پریس، لاہور

جلد دوم، شوال ۱۲۷۸ھ، دیوانِ ظفر، مطبعِ احمدی، دہلی

چشتی، افتخار احمد، پروفیسر، ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء، مناقب المحبوبین: (ترجمہ، تلخیص و ترتیب) اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

خان، سردار محمود، ۱۹۵۵ء، مظہرِ سلیمانیہ بضمیمہ خیالاتِ فریدیہ، اردو پریس، لاہور

سلیمانی، غیاث اللہ، خواجہ، جمادی الاول ۱۴۲۱ھ / اگست ۲۰۰۰ء، تذکرہ حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش کریم تونسوی، خواجہ محمد شاہ سلیمان اکیڈمی، تونسہ شریف

سلیمانی، نجم الدین، حاجی، ۱۳۲۱ھ، مناقب المحبوبین، مطبعِ محمدی، لاہور

ظہیر السجاد، ۱۳۷۷ھ، ملفوظ مصابیح القلوب (حصہ اول)، انتظامی پریس، کانپور

علی خان، غلام محمد ہادی، چشتی کشمیری لکھنوی، رجب ۱۳۰۵ھ، مناقبِ حافظیہ، مطبع احمدی، کانپور
فریدی، نور احمد خان، مولانا، بارِ اول س ن، تذکرہ مشائخِ چشت، قصر الادب، ملتان
فیض احمد فیض، مولوی، ۲۰۱۷ء، مہرِ منیر، ایوانِ مہر علی شاہ، اسلام آباد
قمر الدین، محمد، ڈاکٹر، مارچ ۱۹۸۵ء، احوال و افکار و آثار۔ عماد الملک غازی الدین خان نظام، نکھار پریس۔
گیلانی، مہر علی شاہ، پیر، بارِ چہارم ۲۰۰۶ء، مرأۃ العرفان (مجموعہ کلام)، مطبوعہ گولڑہ شریف، اسلام آباد
للہی، محمد حسین، ڈاکٹر، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور۔
محمد فاضل بن شیخ فیروز (جامع)، مفتاح الکرامات (احوال و ملفوظاتِ شیخ یحییٰ مدنی) خطی، عکسی نسخہ مملوکہ راقم
مکھڈی، نور محمد، حافظ (جامع)، چودھوانی، گل محمد (کاتب)، سنہ کتابت ۱۳۶۱ھ، غذاء المحبین وسم المعاندین (خطی)، عکسی نسخہ مملوکہ راقم۔
مومن خان مومن، بارِ دوم مارچ ۲۰۰۸ء، کلیاتِ مومن، مجلس ترقیِ ادب، لاہور
نصیر الدین، شاہ محمد (مولف)، قادری، محمد یوسف شاہ، لطفی (مترجم)، نجمی، غلام جیلانی (مرتب)، ۲۰۱۳ء / ۱۴۳۳ھ، نجم الارشاد، جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی، بارِ اول
نظامی، خلیق احمد، ۱۹۵۳ء، تاریخِ مشائخِ چشت، ندوۃ المصنفین، دہلی
___، ۲۰۰۷ء، تاریخِ مشائخِ چشت، اوکسفرڈ پریس، کراچی
___، ۱۹۸۴ء، تاریخِ مشائخِ چشت، ادبیاتِ دلی، دہلی
نظامی، غلام فرید، ڈاکٹر، بارِ اول ۱۹۸۷ء / ۱۴۰۷ھ، تذکرۂ شاہ نظام الدین محمودی سلیمانی، انجمن فروغِ فنونِ اسلامی پاکستان، ڈیرہ غازی خان
نظامی، مسعود حسین، ۲۰۱۴ء، حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی، نظامی آشرم، بریلی، ایم کے پرنٹرز، دہلی

Abstract

This article aims at highlighting over seventy excerpts, many names of personalities and places which the known Urdu work *Tarikh-e Mashaikh-e Chisht* (fifth volume) by Professor Khaliq Ahmed Nizami, has wrongly incorporated. It is reckoned to be one of the authenticated works of Chishti order. The article writer mentioned that he read the work times and again. In the beginning, the article shared details about the publishers produced this work since it came into printing. Among those are Oxford University Press included. Apart from publishers dealing with Urdu books, OUP has a system in place to rectify such mistakes through review process before publishing any text but unfortunate to say that it also produced *Tarikh-e Mshaikh-e Chisht* with discrepancies. The article shares that despite number of mistakes, the work is still a remarkable source of information and particular the author's lucid writing style.

Keywords: *Tarikh-e Mashaikh-e Chisht*, Chishti order, Khaliq Ahmed Nizami.